

ماہنامہ

فکری، اصلاحی، دینی مجلہ

جلد ۱
شمارہ ۲

MONTHLY HOSLA

جون ۲۰۱۵ء / شعبان / رمضان ۱۴۳۶ھ

برصغیر میں

ممکنہ جنگ کے بھڑکتے شعلے

اسلامی نظام
سے خائف لوگ

روہنگیا مسلمانوں کی

حالت زار

عرضِ حال بہ جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات

اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلاتا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغریبا ہے

وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
اب اُس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہاں
اب اُس کا نگہاں اگر ہے تو خدا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جس دین نے غیروں کے تھے دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں پیا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکیرِ غنا بھی
اس دین میں اب فقر ہے باقی غنا ہے

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکماء کی
وہ عرصہٴ تنگی جہلا و سفہا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

ہے دین تیرا اب بھی وہی چٹمہِ صافی
دینداروں پر اب ہے باقی نہ صفا ہے

عالم ہی سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی
منعم ہی سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگِ شب و روز
یہ مجلسِ اعیان ہے وہ بزمِ شرفا ہے

انتخاب از مسدسِ عالی (مولانا الطاف حسین حالی)

صفحات مجلہ

5	اداریہ
7	برصغیر میں ممکنہ جنگ کے بھڑکتے شعلے
9	روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار
11	نظام خدا اور ہم
15	کھلا دشمن
20	دارا آن ٹیر
23	مسئلہ سود
27	حریت اور حیات اسلامی
32	بندہ مومن کا اخلاق
36	عقل و خرد کی منزلیں
39	فضائل تقویٰ
44	یہ منحوس آوازیں
46	ایک مجاہد نو جوان
50	اسلامی نظام سے خائف لوگ
51	اسلام کا تصور جہاد
54	درویش شریف کی حکمت

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

إِنَّ اللَّهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْفُزَانِ-

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتے ہیں جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۱۰، کنز العمال)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

الْإِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ أَخَوَانِ تَوَامِلَانِ لَا يَصْلُحُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا إِلَّا

بِصَاحِبِ الْإِسْلَامِ أَسُّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا لَاسٍ لَهُ

لِيَهْدُمَ وَمَا لَا حَارِسٍ لَهُ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی

ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک

عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی

بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنز العمال)



monthlyhosla@gmail.com
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تجاویز اور
پرمغز تحسیریں اس برقی پتہ
پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk/blog

facebook.com/ehtadal

twitter.com/molanaismatulah

www



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا عَلَي أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنََّّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (سورۃ الزمر ۵۹)

آپ فرمادیجئے کہ اے میرے وہ بند و جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ،
بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے نہایت رحم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا اعلان، انابت الی اللہ کا حکم، مکذبین اور متکبرین کی بدحالی۔

اللہ تعالیٰ تمہارے بھی ہے، غفار بھی ہے، وہ گناہوں پر مودا غزہ بھی فرماتا ہے اور معاف بھی فرمادیتا ہے اس کی

معفرت بہت بڑی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کا عام اعلان کیا اور فرمایا۔

”قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا“ الخ۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت بڑا گناہگار ہوں میری بخشش کیسے ہوگی

جتنا بڑا بھی جو شخص گناہگار ہو اللہ تعالیٰ معفرت فرمادے گا۔ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں اس آیت سے بڑھ کر کوئی دوسری آیت نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کا اعلان ہو۔ (روح المعانی) البتہ کافر و مشرک کی معفرت ہونے کے لیے اسلام قبول کرنا شرط ہے کفر پر برقرار رہتے ہوئے معافی اور معفرت نہیں ہو سکتی جیسا کہ سورۃ النساء میں فرمایا ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا“ (بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشے گا کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔ اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا اس کے گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا) کوئی کتنا ہی بڑا کافر و مشرک ہو اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و معفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے بشرطیکہ توبہ کر لے یعنی اسلام قبول کر لے۔ مشرکین میں سے بہت سے لوگوں نے بہت سارے قتل کیے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں سے زنا بھی کثرت سے صادر ہوا تھا یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ تو اچھی چیز ہے لیکن ہمیں یہ تو بتائیے کہ ہم نے جو بڑے بڑے گناہ کیے ہیں کیا ان کا کفارہ ہو سکتا ہے اس پر سورۃ زمر کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ جو شخص مسلمان ہے وہ کتنے ہی گناہ کر لے جب توبہ کر لے گا اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں البتہ حقوق العباد کی تلافی کریں، یہ بھی توبہ کا جز ہے اگر توبہ سچی ہو اور صحیح ہو تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ برابر توبہ کرتے رہیں اگر توبہ ٹوٹ جائے پھر کر لیں توبہ ٹوٹی رہے، بار بار کرتے رہیں۔ سورۃ زمر کی مذکورہ بالا آیت بندوں کے لیے بہت بڑی ڈھارس ہے اور اس میں بندوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کروڑوں گناہ بھی اللہ کی رحمت اور معفرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے سورۃ حجر میں ارشاد ہے: ”قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے؟۔ صغیرہ گناہوں کی معفرت اور ان کا کفارہ تو اعمال صالحہ سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہوں کی یقینی طور پر معفرت ہو جانا توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اختیار ہے چاہے توبہ نہ ہو ہی معاف کر دیں چاہے تو عذاب میں ڈال دیں اس لیے پکی توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ معفرت کی امید رکھیں اس کی رحمت سے ناامید کبھی نہ ہوں۔

وفادار بندوں کا یہ شعار نہیں کہ معفرت کا وعدہ سن کر بے خوف ہو جائیں بلکہ مغفرتوں کی بشارتوں کے بعد اور زیادہ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں میں ترقی کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کے لیے بشارتیں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی سب لغزشوں کی معفرت فرمادی جس کا اعلان سورۃ الفتح کے شروع میں فرمادیا اس کے باوجود آپ راتوں رات نمازیں پڑھتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے قدم مبارک سوچ گئے تھے جب کسی نے عرض کیا کہ آپ عبادت میں اتنی محنت فرماتے ہیں حالانکہ اللہ پاک نے آپ کا سب کچھ اگلا پچھلا لغزش والا عمل معاف فرمادیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا ”أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا“ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟۔ رواہ البخاری ص ۱۵۲۔ (مولانا عاشق الہی بلندی شہری)

ہندوستان کے بدلتے تیور

ہندوستانی وزیر دفاع کے غیر مبہم بیان کے بعد ہندوستانی حکومت کی پاکستان بارے پالیسی اظہر من الشمس ہو گئی ہے۔ یہاں جو نام نہاد انشوراسے ایک شخص کا ذاتی نقطہ نظر قرار دے رہے تھے، انڈین وزیر داخلہ نے ان دانشوروں کی نام نہاد آراء کو تصدیقی بیان کے ذریعے جو وزیر دفاع کے بیان کے ضمن میں تھا یکسر مسترد کر دیا۔ ان دونوں ہندوستانی وزراء کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ پاکستان کو زچ کرنے کی پالیسی واضح ہے۔ دو قومی نظریے کی بنیاد پر بننے والے مسلمان ملک کو ہندوستان کی سخت گیر ہندو حکومت (خاکم بدین) تباہ و برباد کرنے پر تلی بیٹھی ہے۔ ہندوستان کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے پڑوس میں ایک مسلمان ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو۔ امن وامان اس کا مقدر بنے۔ لیکن بد قسمتی کے ساتھ ہندوستان کے حقیقی عزائم پاکستانی قوم پر آشکارا کرنے میں کئی رکاوٹیں پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ تمام مقتدر طبقات جن کے کروڑوں ڈالر کے کاروبار ہندوستان کے ساتھ جڑے ہیں، وہ ہر حال میں ہندوستان کو ایک ذمہ دار ملک کے طور پر ہی متعارف کروانے پر بضد ہیں۔ انہیں خطرہ ہے کہ اگر پاکستانی بحیثیت قوم ہندوستانی عزائم کو بھانپ گئے تو ان کے ہندوستان سے تجارتی مفادات تباہ و برباد ہو جائیں گئے۔ یہ گروہ ہمیشہ ہندوستان سے تجارتی تعلقات میں ہی تمام تر بھلائیاں بیان کرتا چلا آیا ہے۔ بسوں اور ٹرکوں کی آمد و رفت سے ہندوستان کو پر امن ملک سمجھنے والے دراصل ہندوؤں کی بنیادی ذہنیت سے آگاہ نہیں یا پھر مفادات کے تحت چشم پوشی کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں دوسرا گروہ جو دو سیاسی جماعتوں پر مشتمل ہے کراچی اور خیبر پختونخواہ میں اچھی خاصی نمائندگی بھی رکھتا ہے۔ یہ گروہ پاکستان میں بھی ہندوستانی مفادات کا تحفظ کرتا چلا آیا ہے۔ یہ لوگ ہر وہ پالیسی جو دشمن کے مقابل ”گھوڑے تیار رکھنے کا اشارہ دے“ کی بھرپور مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔ کالا باغ ڈیم جیسا عظیم اور تقدیر کو بدل کر رکھ دینے والا منصوبہ بھی انہی قوتوں کی بدولت متنازعہ بنا اور تکمیل کی طرف نہ بڑھ سکا۔ ہندوستان اسے ہمیشہ اپنی کامیابی قرار دیتا چلا آیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کالا باغ ڈیم منصوبہ کو ناکام بنانے کے لیے ہندوستان کروڑوں ڈالر صرف کر چکا ہے۔ اب بھی انہی سیاسی گروہوں کے ذریعے گوا در منصوبے کو ناکام بنانے اور متنازعہ کرنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے۔ بھارتی ”را“ کے کئی تربیت یافتہ دہشت گرد اپنا تعلق سیاسی جماعت سے ظاہر کر چکے ہیں۔ ہندوستان کے مفادات کا محافظ تیسرا گروہ دو قومی نظریے کو تاریخ کی بدترین غلطی سمجھتا ہے اور ملک پاکستان کے مسلمان تشخص کا واضح اور کھلا دشمن ہیں، انہیں پاک بھارت بین الاقوامی سرحد ایک منحوس لکیر نظر آتی ہے۔ انہوں نے ہر حال میں بھارتی ثقافت، لچر کلچر، بے ہودگی اور ہندی تہذیب کو پاکستان پر مسلط کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ ثقافت کے نام پر بھارت کے ڈوم مراشیوں کے وفود کے تباد لے اور ثقافتی شوا س ضمن کی ایک کڑی ہیں۔ یہی گروہ امن کی آشا کے نام پر پاکستان میں ہندو لچر پن کو پھیلانے اور مسلم نوجوانوں سے اسلامی ثقافت چھین لینے پر بضد ہے۔ یہ تینوں گروہ ہیں جو دراصل ہندوستان کے حقیقی ایجنٹ اور وفادار ہیں۔ قوم کا اندرونی اور بیرونی خطرات سے پوری طرح آگاہ رہنا اور دشمن سے نمٹنے کے لیے کمر کسنا انتہائی ضروری ہے۔ ہندوستانی وزراء کے بیان سے دشمنی کی جو بو آ رہی ہے اس سے ان کے دل میں پوشیدہ اسلام اور پاکستان دشمنی کہیں زیادہ

ہے۔ کیا بحیثیت قوم ہم ان خطرات کو سمجھنے اور بھانپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سوال ہے جو بہت تلخ ہے حقیقت میں اس کا جواب نفی میں ہے، قوم اگر ملک خدا داد کا تحفظ چاہتی ہے تو اسے جہاد کی تیاری کرنی چاہیے اور دشمن کی طرف سے کسی بھی قیمت پر غافل نہیں رہنا چاہیے۔

روہنگیا مسلمانوں پر ظلم اور ہماری خاموشی؟؟؟

جس قدر افسوسناک صورتحال کا سامنا برمی مسلمانوں کو کرنا پڑ رہا ہے۔ تاریخ میں شاید ہی کہیں ایسی مثال ملے۔ دشمنوں کا کھلم کھلا ظلم اور اپنے مسلمانوں کی یکسر بے رخی نے برمی مسلمانوں کے دکھ لوگہ کر دیا ہے۔ بارہ لاکھ سے زائد برمی مسلمان اجنبی مخلوق بن کر رہ گئے ہیں۔ جانوروں کے حقوق کے لیے سرگرم نام نہاد یورپین تنظیمیں جو ہمیشہ جانوروں کی نسل کشی کا وایلا کرتی ہیں اور انسانی حقوق کے نام نہاد چیمپین سب کو سانپ سونگہ گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے روہنگیا مسلمانوں کو انسان تو درکنار ذی روح کی فہرست سے بھی خارج کر دیا گیا ہو۔ دنیا کے کسی حصے میں یہود ہوں یا ہنود اور عیسائی۔ انہیں ذرہ برابر بھی تکلیف ہو تو اقلیتوں کے حقوق کے چیمپین کیڑے مکوڑوں کی طرح سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ ایک یہ مسلمان ہیں کہ لاوارث اور بے بس و بے کس۔۔۔ جن کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ۵۲ سے زائد اسلامی ملک بھی ان برمی مسلمانوں سے بالکل ہی لاتعلقی بن کر رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر محمد عربی کریم ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے کہ جو میرا امت کے درد سے لاتعلقی ہے وہ ہم میں نہیں۔ آج ہم لاتعلقی اختیار تو کر رہے ہیں اگر کل روزِ محشر رسول اللہ ﷺ نے ہم سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا تو پھر اس حساب و کتاب کے دن ہمارا کون وارث ہوگا۔ کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے حقدار ٹھہریں گئے۔ حیرت تو مذہبی جماعتوں پر ہے جو تحفظِ حریمین کے لیے تو صبح شام جلسے جلوس کرنے میں منہمک ہیں۔ ایسا ہونا بھی چاہیے لیکن جب یہی لوگ برمی مسلمانوں کے معاملے کو سرسری انداز میں بیان کرتے ہیں تو ان کے حریمین کے بارے میں فکر مندی پر بھی شکوک جنم لیتے ہیں۔ کہیں حریمین سے زیادہ سعودی حکومت کو اپنی وفاداری تو نہیں دکھائی جا رہی؟؟؟ اگر ایسا نہیں تو پھر برمی مسلمانوں کے درد و تکلیف کو بھی انہیں سمجھنا چاہیے تھا۔ اور کوئی قابل عمل اور سودمند لائحہ عمل اختیار کیا جانا چاہیے تھا۔ مسلمان قیادتوں کے ان افسوسناک رویوں سے عامۃ المسلمین میں مایوسی جنم لے رہی ہے۔ جو حوادث کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔

صدر مرسى کو سزاء۔۔۔ لمحہ فکریہ

بگلدیش میں اسلام پسندوں کی ناطقہ بندی اور پاکستان میں دینداروں کے زیرِ عتاب آنے کے بعد مصر بھی سیکولر قوتوں کے لیے نئی چراہ گاہ کے طور پر سامنے آیا ہے اخوان المسلمین جنہوں نے یورپین طرزِ جمہوریت پر اعتماد کرتے ہوئے تحریک کھڑی کی اور ایک بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ ایک ڈکٹیٹر کے ذریعے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی خواہش کے مطابق ان کے خلاف بغاوت برپا کر دی گئی طویل عوامی جدوجہد کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ عوامی جذبات کا استحصال کیا گیا۔ خود ساختہ جمہوریت کے اصولوں کو خود ہی درگور کیا گیا۔ ایسے میں جمہوری طرزِ سیاست کے ذریعے اسلامی نظام کے لیے کوشاں تحریکوں کا مستقبل تاریک کر دیا گیا۔ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اگر اسلام پسندان کے بتائے گئے ”جائز راستوں“ سے بھی نظامِ اسلام کی کوششوں میں کامیاب ہوں گے تب بھی انہیں دیوار سے لگا دیا جائے گا۔ اور پس دیوارِ زندان پھینک دیا جائے گا۔ عدم تشدد کی پالیسیوں کے داعیوں کا طرزِ عمل بذاتِ خود تشدد کو ہوا دے رہا ہے۔ عالمِ کفر کی دوغلی پالیسیاں اور ان کے زر خرید ایجنٹوں کا غیر منصفانہ طرزِ حکومت تشدد کو ہوا دیتا ہے۔ اگر مصر میں صدر مرسى کو اپنا دورانیہ پورا کرنے دیا جاتا تو آسمانِ نٹوٹ پڑتا۔ بد قسمتی سے وہ مسلمان ممالک جو اخوان کی اس جائز اور منصف مزاج حکومت کو پارہ پارہ کرنے میں پیش پیش تھے، آج خود خطرات کی آندھیوں کے گھیرے میں ہیں۔ اگر مصر کی ظالم حکومت نے صدر مرسى اور ان کے ساتھیوں پر یہ تشدد جاری رکھا تو مصر میں ردِ عمل میں اٹھنے والے طوفان کے اثرات عرب کے دیگر گوں حالات کو مزید گھمبیر کر دیں گے۔ بگلدیش اور مصر میں ہونے والے ان اقدامات سے اہل اسلام کے جذبات و خیالات کو قطعی کچلا نہیں جاسکے گا۔ البتہ ضرور بضرور اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔



انڈیائی نہ صرف اپنے ملک میں ہونے والی تحریک آزادی کو کچلنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی بلکہ پاکستان کی سرزمین پر از خود ایک نیم مردہ تحریک آزادی میں جان ڈالنے کی کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی

غیر اعلانیہ تیسری جنگ عظیم شروع ہو چکی ہے۔۔۔ دنیا کی۔۔۔ آندھیوں میں۔۔۔ گھرا نظر آتا ہے۔۔۔ پاکستان۔۔۔ افغانستان۔۔۔ ہندوستان اور ایران بھی ایک طویل۔۔۔ پراکسی وار۔۔۔ لڑ کر کہیں آگے بڑھتے نظر آ رہے ہیں۔۔۔ جب سے افغانستان پر امریکی حملہ آور ہوئے ہیں۔۔۔ ہندوستان کی قسمت جاگ گئی ہے۔۔۔ انڈیائی نہ صرف۔۔۔ اپنے ملک میں ہونے والی۔۔۔ تحریک آزادی۔۔۔ کو کچلنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی بلکہ۔۔۔ پاکستان کی سرزمین پر از خود ایک۔۔۔ نیم مردہ تحریک آزادی۔۔۔ میں جان ڈالنے کی کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی۔۔۔ بلوچ قوم پرستوں کی۔۔۔ ہر میدان میں حوصلہ افزائی کی کراچی میں۔۔۔ ایم کیو ایم۔۔۔ کی صورت میں ہندوستان کو۔۔۔ ایک اچھا پائزل مل گیا۔۔۔ افغان حکمرانوں کے ذریعے بلواسطہ۔۔۔ مذہبی مزاحمتی حلقوں تک بھی غیر محسوس رسائی حاصل کر لی۔۔۔ افغان

بن کر رہ گیا۔۔۔ جہاں انڈیا۔۔۔ ایران۔۔۔ چین اور پاکستان۔۔۔ اپنی مرضی کے پہلو ان۔۔۔ اتارنے میں لگن ہیں۔۔۔ ہندوستان افغان سرزمین پر۔۔۔ کئی ارب ڈالر کی (جنگ) سرمایہ کاری کر چکا ہے۔۔۔ ایران کو اپنا ہمنوا۔۔۔ اور پاکستان کو مخالف بنا کر اپنی پوزیشن۔۔۔ کافی بہتر بنا چکا ہے پاکستان۔۔۔ چین کی بیساکھی پکڑ کر۔۔۔ لرزے کپکپاتے۔۔۔ ڈمگاتے۔۔۔ مذہب۔۔۔ آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں۔۔۔ کے تذبذب میں سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔۔۔ جبکہ دشمن۔۔۔ انڈیا اور ایران پورے انہماک سے۔۔۔ ناکہ بندی کرتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔ ہندوستان میں۔۔۔ بی جے پی کی حکومت کی۔۔۔ اندرونی سیاست کا تقاضہ۔۔۔ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔۔۔ کہ وہ کہیں مسلم کش ”مینا بازار“ سجائے۔۔۔

دنیائے تیسری جنگ عظیم شروع ہو چکی ہے۔۔۔ دنیا کے بیشتر ممالک۔۔۔ حالت جنگ میں نظر آ رہے ہیں۔۔۔ نیٹو کے جھنڈے تلے۔۔۔ 42 ملک افغان سرزمین پر جنگ کے ایک مرحلے میں۔۔۔ خائب و خاسر ہو کر لوٹ چکے ہیں۔۔۔ یورپ۔۔۔ دار آن ٹیر کے نام سے اپنی زمین۔۔۔ اور اپنی زمین سے باہر بھی حالت جنگ میں نظر آ رہا ہے۔۔۔ عرب کے بیشتر ممالک۔۔۔ میدان جنگ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔۔۔ سعودی عرب۔۔۔ لیبیا۔۔۔ لبنان۔۔۔ فلسطین اور یمن براہ راست۔۔۔ میدان جنگ بن چکے ہیں۔۔۔ ایران جنگ ماحول کو۔۔۔ ہوا دینے والوں میں سے ہے۔۔۔ روس یوکرین کو اکھاڑا بنا چکا ہے۔۔۔ جس میں کئی پہلو ان نبرد آزما ہیں۔۔۔ اسی طرح خطہ برصغیر بھی جنگ کی لپٹ میں نظر آ رہا ہے۔۔۔ اب تک عالمی منظر نامہ ”پراکسی وار“ (proxy war)

اگر بی جے پی کی حکومت۔۔ یہ بازار ہندوستان میں سجاتی ہے تو اس کے بذات خود۔۔ بی جے پی اور انڈیا کی معیشت کو مستقبل قریب میں نقصانات اٹھانے ہوں گے۔ گجرات میں۔۔ مودی کا تجربہ بھی اسے اس طرح کے۔۔ پلان سے روکتا نظر آ رہا ہے۔ اب بی جے پی۔۔ کے لیے ہندوستان کے اُس پار۔۔ پاک سرحد پر پہلے پہل۔۔ اور اگلے مرحلے میں۔۔ پاک سر زمین پر۔۔ کسی قتل و غارت کا منصوبہ زیر غور ہے۔۔ بلکہ رو بہ عمل ہے۔ انڈیا کھلم کھلا۔۔ پر کسی وار۔۔ کو سپانسر کر رہا ہے اسے ایسا کرنے میں۔۔ بین الاقوامی طور پر۔۔ یا نام نہاد اقوام متحدہ کی طرف سے کسی قسم کے رد عمل کا خوف بھی نہیں ہے۔ ہندوستان۔۔ چین۔۔ کے مقابلے میں آنا چاہتا ہے۔ امریکہ بھی اس خواہش کو بغل میں دبائے بیٹھا ہے۔ اس کباب میں بڑی پاکستان ہے جسے انڈیا۔۔ بے تعاون امریکہ۔۔ سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے۔ پاکستان فوج اپنے ہی ملک پچھلے دس سال سے حالت جنگ میں ہے۔ اربوں ڈالر کا معاشی نقصان اور ہزاروں افراد کا جانی نقصان اٹھا چکی ہے۔۔ اڑھائی لاکھ فوج مغربی سرحد پر عملاً مصروف ہو گئی ہے۔۔ جو ہمیشہ مشرقی سرحد پر مستعد رہتی تھی۔۔ اسے امریکہ اپنی کامیابی سمجھ رہا ہے۔۔ ہندوستان اسے امریکہ کا بڑا تعاون سمجھتا ہے۔۔ انڈیا۔۔ امریکہ اور اسرائیل ایک ایسی جنگ۔۔ پاکستان پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے پاکستان ۳۰ سال تک سنبھل نہ سکے۔۔ اور اس دوران انڈیا۔۔ چین کے مد مقابل آکھڑا ہو۔ پاکستان کے خلاف مشرقی سرحد پر ہندوستان اپنی تیاری کی تکمیل کے بعد اب

مغربی سرحد پر جنگی بنیادوں پر تیاری میں دن رات مصروف ہے۔۔ انڈیا افغان حکومت سے۔۔ کابل جلال آباد۔۔ خوست اور قندھار انٹیر پورٹ کو۔۔ جنگی ضرورت کے تحت استعمال میں لانے کا خفیہ معاہدہ بھی کر چکا ہے۔۔ ”بہترین دفاع بھرپور جارحیت ہے“ کے اصول کے تحت انڈیا اپنے جارحانہ عزائم کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ انڈیا کے عزائم اور تیاری میں۔۔ خطرناک حد تک اُس وقت شدت آئی۔۔ جب پاکستان نے چین کے

اس صورت میں ہندوستان بلا توقف پاکستان سرحدوں پر ہلکی جھڑپوں سے آغاز کرتے ہوئے اسے شدت کی جنگ میں تبدیل کر دے گا۔ جس جنگ کی پشت پناہی امریکہ، اسرائیل اور ایران کریں گے۔ اور بھرپور تعاون افغانستان حکومت کرے گی۔ یہ مرحلہ خطرناک ترین ہے جو ایک بڑی آزمائش اور وسیع کشت و خون میں بھی بدل سکتا ہے۔

ساتھ مل کر۔۔ گوادر راہداری کے لیے 46 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کے لیے ایک معاہدہ پر دستخط کیے۔ انڈیا نے اسے چین اور پاکستان کی مشترکہ انڈیا کو گھیر کر مارنے کا پلان قرار دے ڈالا۔ ہندوستان نے ”را“ میں اس کے لیے ایک علیحدہ یونٹ تشکیل دے دیا اور 60 ارب روپے گوادر راہداری منصوبے کو ناکام کرنے کے لیے مختص کر دیے۔ کالا باغ ڈیم۔۔ کو متنازعہ بنانے میں کامیابی کے بعد ہندوستان کا حوصلہ بلند ہے کہ وہ اس راہداری منصوبے کو بھی متنازعہ بنا کر اور اس کی

راہ میں روڑے لگا کر ناکام بنا ڈالے گا راہداری منصوبے نے انڈیا، ایران، افغانستان اور امریکہ کو سر جوڑ کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس مجوزہ منصوبہ کو ناکام بنانے کے لیے کئی طرح کی حکمت عملیاں ترتیب دی جا رہی ہیں۔ منصوبے کا مقابلے میں ایران کی۔۔ چار بہار بندرگاہ۔۔ کو متبادل کے طور پر پیش کرنا اور گوادر کو ناکام بنادینا، گوادر راہداری کو غیر محفوظ ثابت کرنا اور چار بہار کو محفوظ بندرگاہ کے طور پر متعارف کروانا، گوادر کو متنازعہ بنا کر پایہ تکمیل تک ہی نہ پہنچنے دینا۔۔ یہ تین مرحلے ہیں۔۔ گوادر کو ناکام کرنے کے لیے جو ہندوستان نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر ترتیب دیئے ہیں۔ یقیناً یہ تینوں منصوبے خاک ہو جائیں گے۔ اس صورت میں ہندوستان۔۔ بلا توقف پاکستان سرحدوں پر ہلکی جھڑپوں۔۔ سے آغاز کرتے ہوئے اسے شدت کی جنگ میں تبدیل کر دے گا۔ جس جنگ کی پشت پناہی امریکہ۔۔ اسرائیل اور ایران کریں گے۔ اور بھرپور تعاون۔۔ افغانستان حکومت کرے گی۔ یہ مرحلہ خطرناک ترین ہے جو ایک بڑی آزمائش اور۔۔ وسیع کشت و خون۔۔ میں بھی بدل سکتا ہے۔ خطے پر اس جنگ کے منڈلاتے بادل غیر یقینی قطعاً نہیں بلکہ۔۔ بی جے پی کی اندورنی سیاست کا تقاضی بھی یہی ہے۔۔ اور نیشنل اور انٹر نیشنل منصوبے بھی اس سے ہم آہنگ ہیں۔ کیا اس سارے کھیل سے چین لا تعلق رہے گا۔۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر کیا ہماری آنکھیں اس خطے میں ممکنہ جنگ کے بھڑکتے شعلے دیکھنے والی ہیں؟۔۔ اللہ تعالیٰ بحیثیت قوم ہمیں اس جنگ کی تیاری اور شعور بیدار کرنے کی توفیق دے۔

روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار

زندہ انہوں کو پکڑ کر آگ کے الاؤ میں پھینکنا، خواتین اور بچوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ دریاؤں میں کود جانے پر مجبور کرنا، اجتماعی قبروں میں زندہ درگور کرنا اور زخموں سے چور تڑپتے لاشوں پر رقص کرنا کسی بھی مہذب دنیا یا تہذیب میں روا نہیں ہو سکتا، لیکن برما میں مسلمانوں کے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا ہے

میانمار (برما) میں اقلیتی مسلمان آبادی بدھا بھگشو کے پیروکاروں کے رحم و کرم پر ہے اور اقوام متحدہ، اسلامی تعاون تنظیم سمیت دنیا کا کوئی ذمہ دار ادارہ مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی کی روک تھام میں مسلسل ناکام ہے۔ روہنگیا کے نہتے مسلمانوں کے کشت و خون کا بھیانک سلسلہ ایک بار پھر عروج پر ہے۔ اس ضمن میں ہم وہاں پر ہونے والے اجتماعی قتل عام کے محرکات کا جائزہ لیں گے مگر اس سے قبل ایک نظر برما کے جغرافیائی، طبعی حالات اور محل وقوع پر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ برما جس کا دوسرا نام میانمار بھی ہے، جنوب مشرقی ایشیا کا ایک اہم اور دنیا کا پچاس واں بڑا ملک ہے جس کی سرحدیں بنگلہ دیش، چین، بھارت، تھائی لینڈ اور لاؤس تک پھیلی ہوئی ہیں۔ سمندر، پہاڑ، صحرا، وادیاں برما کے طبعی حالات کو چار چاند لگاتی ہیں۔ یہ ملک اگر خانہ جنگی کا مسلسل شکار نہ ہو تو جنوب مشرقی ایشیا میں سیاحت کے چوٹی کے ممالک میں شمار کیا جائے۔ برما کی کل آبادی چھ کروڑ سے زیادہ ہے جس میں قدیم ”برما“ اس کے اصل باشندے کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں پر چین، بھارت، بنگلہ دیش حتیٰ کہ عرب ممالک سے بھی لوگ آتے اور آباد ہوتے رہے

ہیں۔ گوکہ رقبہ زیادہ نہیں لیکن ۱۹۳۰ مربع کلومیٹر کا علاقہ برما کا شہری علاقہ سمجھا جاتا ہے، کچھ نیم خود مختار ریاستوں کو شامل کر کے کل ایک لاکھ مربع میل تک پہنچ جاتا ہے۔ برما میں ویسے تو ایک درجن سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں مگر بالائی برما میں ”پیو“ زبان جبکہ زیریں حصے میں ”مون“ زبان بولی جاتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے برما مختلف بیرونی حملہ آوروں کی زد میں رہا ہے۔ ۱۲۷۷ء سے ۱۳۰۱ء تک برما میں منگولیا سے آنے والے تاتاریوں کی حکومت رہی، جنہوں نے حسب معمول برما میں بھی خوب قتل عام کیا۔ تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ تاتاریوں نے جب برما پر حملہ کیا تو اس وقت کے بادشاہ نے مزاحمت نہیں کی بلکہ تاتاری فوج کا استقبال کیا۔ اس کے باوجود جب وحشی تاتاری برما میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک لاکھ لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ برما کی تاریخ میں یہ پہلا بڑا قتل عام ہے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں برما انگلستان (برطانیہ) کے زیر تسلط آ گیا۔ برطانوی راج کے دور میں اس کا کچھ حصہ آسام میں شامل تھا۔ ۴ جنوری ۱۹۴۸ء تک یہ ملک برطانیہ کی ایک کالونی رہا۔ برطانوی دور حکومت میں جو ترقیاتی کام ہوئے تھے، وہ آج بھی موجود ہیں۔ برطانوی حکومت

نے بری باشندوں کو زری سہولیات فراہم کیں، بند تعمیر کیے، سڑکیں بنائیں اور ریلوے کا نظام متعارف کیا۔ بد قسمتی سے آزادی کے بعد برما میں طویل عرصے تک فوجی آمریت رہی۔ ۱۹۹۲ء میں پہلی مرتبہ فوج نے مقتدر حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کیا، درمیان میں چند برس کے سوا ۲۰۱۲ء تک فوج ہی ملک کے سیاہ و سفید کی مالک رہی ہے۔ آج بھی ریاست کی اصل طاقت فوج ہی سمجھی جاتی ہے۔ فوج نے ملکی آئین میں مرضی کی ترامیم کرا رکھی ہیں، جو نہ صرف سیاسی معاملات میں فوج کی مداخلت کا جواز پیدا کرتی ہیں بلکہ ملک میں ہونے والی خانہ جنگیوں، بالخصوص مسلمانوں کے قتل عام کا بھی موجب ہیں۔

مسلمانوں پر عتاب کا آغاز

میانمار میں مقامی مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا محض ۴ فیصد ہے۔ یہ لوگ مرکزی ریاست روہنگیا میں صدیوں سے آباد ہیں۔ مقامی مسلمان آبادی کے علاوہ چین کے صوبہ سنکیانگ، بنگلہ دیش، بھارت اور دوسرے پڑوسی ملکوں کے مسلمان باشندے بھی موجود ہیں۔ برطانوی سامراج سے آزادی کے بعد حکومت اور فوج کے

ہوئے تھے، وہ آج بھی موجود ہیں۔ برطانوی حکومت

درمیان سیاسی رسائی نے عوام کو بھی اس جنگ میں دھکیل دیا لیکن مسلمانوں پر عتاب کے کچھ دیگر اسباب بھی ہیں۔ امریکی تھینک ٹینک ”واشنگٹن اسٹڈی سینٹر برائے ایشیا“ کی ایک رپورٹ کے مطابق برما میں مسلمانوں پر مظالم نئے نہیں بلکہ صدیوں سے مقامی مسلمان آبادی حکومتوں کے مظالم سہتے چلی آرہی ہے، لیکن مسلمان آبادی کے اجتماعی قتل عام کا آغاز ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اُس وقت ہوا، جب برما اور بنگلہ دیش کے درمیان مسلمانوں کو ایک دوسرے کی حدود میں دھکیلنے پر ایک تنازع پیدا ہوا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب بنگلہ دیش تازہ تازہ پاکستان سے جدا ہوا تھا اور وہاں پر شیخ مجیب الرحمن کا طوطی بولتا تھا۔ بنگلہ دیشی حکومت کا کہنا تھا کہ وہ برما کے مہاجرین کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی، لہذا برمی مسلمان تارکین وطن واپس اپنے ملک جائیں جبکہ برمی حکومت مسلمانوں کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔ ۱۹۹۲ء میں دونوں ملکوں کے درمیان اقوام متحدہ کی وساطت سے ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت بنگلہ دیش میں موجود تمام مسلمان مہاجرین کو واپس میانمار منتقل کرنے پر اتفاق کیا گیا تھا۔ اس معاہدے کے وقت بنگلہ دیش میں ڈھائی لاکھ برمی مسلمان پناہ لیے ہوئے تھے۔ برمانے اعتراض کیا کہ ہجرت کر کے بنگلہ دیش آنے والے بچے مہاجرین کے بنگلہ دیش میں پیدا ہونے والے بچے بنگالی شہری ہوں گے جن کا برما سے کوئی تعلق نہیں۔ اس بہانے کی آڑ میں میانمار حکومت نے ۲۱ ہزار بچوں کو بنگالی شہری قرار دے کر انہیں ان کے والدین سمیت لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ ہفتے میں صرف ڈیڑھ سو افراد کو برما داخلے کی اجازت دی گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ برمی حکومت مسلمانوں کو حیلوں بہانوں سے تنگ کرنا چاہتی ہے اور انہیں بنگلہ دیش ہی میں روکنے کی کوششیں کر رہی ہے۔ برما کی حکومت کے اس غیر منصفانہ طرز عمل پر ڈھاکہ کانے کئی بار احتجاج بھی کیا لیکن سب بے سود ثابت ہوا۔ جب مسلمانوں کی

ایک بڑی تعداد واپس روہنگیا چلی گئی تو برما کی حکومت ایک بار پھر پیش میں آئی اور رسول اور ملٹری ملیشیا کے ذریعے مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ”ہیومن رائٹس واچ“ کے مطابق ۲۰۰۱ء کے بعد سے اب تک برما میں ایک لاکھ کے لگ بھگ مسلمان نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کیے جا چکے ہیں۔ ہزاروں خواتین کی سر عام اجتماعی عصمت ریزی کی گئی جبکہ ۸۰ ہزار افراد لاپتا ہیں۔ برما کی جیلیں، جو ہمیشہ سیاسی قیدیوں سے بھری رہی ہیں، اب برمی مسلمانوں سے اُٹی پڑی ہیں۔ برما میں تازہ قتل عام ۲۰۱۳ء کے اوائل میں شروع ہوا۔ اس کی بنیادی وجہ روہنگیا کے لوگوں کا مسلمان ہونا بتایا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کے اداروں کی رپورٹس بتاتی ہیں کہ برما میں بدھا کے پُر امن پیروکاروں کو بیرونی اشاروں پر مسلمانوں کے قتل عام پر اکسایا جاتا ہے۔ بد قسمتی سے مسلمان دانشور اور نام نہاد صحافی برما میں ہونے والے قتل عام کو فرقہ وارانہ فسادات کہہ کر اصل بات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات میں دو یا زیادہ متحارب گروپوں کا برابر نقصان ہوتا ہے لیکن پوری دنیا اور بین الاقوامی تحقیقاتی ادارے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ برما میں مسلمانوں کی بودھ مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں۔ تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق کسی مقام پر کسی بودھ کے قتل کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو، وہ الگ بات ہے۔ لیکن جس منظم طریقے سے مسلمان آبادی کو تہہ و تیغ کیا گیا، وہ کسی فرقہ وارانہ کشیدگی کا نتیجہ نہیں بلکہ منظم ریاستی دہشت گردی ہے۔ یہ بات اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں ”ریڈ کراس“ اور ”ہیومن رائٹس واچ“ بھی اپنی رپورٹس میں ثابت کر چکی ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق روہنگیا میں روزمرہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو قتل اور گرفتار کیا جاتا ہے۔ قتل عام میں نہ صرف بودھ مذہب کے انتہا پسند شامل ہیں بلکہ فوج، پولیس اور ریاستی ادارے بھی اس جرم میں بڑھ چڑھ کر

حصہ لیتے ہیں۔ بعض مبصرین کے خیال میں برما میں مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی میں امریکی سامراج کے معروف خفیہ ادارے ملوث ہیں۔ وہ برما میں مسلمانوں اور بودھوں کے درمیان فسادات کے ذریعے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہیں اور وہ جہاں کہیں رہتے ہیں، مذہبی تعصب کی بنیاد پر دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو قتل کرتے ہیں۔ یہ خفیہ ادارے اپنے من پسند گروپوں پر ڈالر پانی کی طرح بہاتے ہیں اور انہیں مسلسل کشیدگی پیدا کرنے پر اکساتے رہتے ہیں۔ برما میں مسلمانوں کے اجتماعی قتل عام کے حوالے سے اس امر کی باریک بینی سے تحقیقات کی بھی ضرورت ہے کہ آخر بدھا جیسے ایک امن پسند مذہبی رہنما کے پیروکار قتل انسانیت کے جرم میں کیونکر ملوث ہو رہے ہیں۔ بدھا کی تعلیمات تو امن، بھائی چارے، اخوت و مساوات اور احترام آدمیت پر مبنی ہیں۔ بدھا بھگشو گھر گھر امن و آشتی کا پیغام پھیلانے والے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ گھر گھر بھیک مانگ کر گزارہ کرنے والی یہ قوم اس قدر شدت پسند کیوں ہو گئی ہے۔ کیا بودھوں کے روپ میں برما کی ریاست کی مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش تو نہیں۔ مسلمان اور بودھ صدیوں سے برما میں ایک برادری کے طور پر رہتے چلے آ رہے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بودھوں کی صفوں میں ایسے لوگ داخل کر دیے گئے ہیں جو برما سے مسلمانوں کا صفایا کرنا چاہتے ہیں۔ یا کہ مسلمانوں کی خون ریزی کی وجہ بودھ مذہب کو اپنے مٹ جانے کا خوف ہے۔ عالمی ابلاغی ادارے اس تاثر کا جواب بھی اثبات میں دیتے ہیں کہ برما کے بودھ مذہب کے پیروکاروں کے کانوں میں ”غیر مرئی“ طاقتوں نے یہ وہم بٹھا دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا قتل عام نہیں کریں گے تو مسلمان ان کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ اس لیے یہ تاثر بھی موجود ہے کہ برما میں غیر ملکی ہاتھ مسلمانوں کی نسل کشی کر رہا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۴۹) پر

نظامِ خدا اور ہم!

قانون صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کا چلے گا۔ اس دنیا و آخرت میں اگر کوئی قانون ساز ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔!

نہ صرف یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حدود و قانون کو نافذ نہیں کرتے بلکہ بزورِ حکومت اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ ہونے سے روکتے ہیں۔!

یہ بوڑھا آسمان، یہ بوڑھی زمین، یہ ہوائیں، پہاڑ، دریا اور سمندر جنہیں ان کے رب نے بنانے کے بعد ان کے لئے ایک نظام متعین کر دیا تھا کہ آسمانوں نے بنا ستونوں کے کھڑا رہنا ہے، جامد، ساکن، خوبصورت۔ اللہ، اللہ، اس کے نیچے بادل بھی جو نمون پانی لئے پھرتے رہتے ہیں کہ اس کا خالق جہاں چاہے اسے برسا دے لیکن! جب کبھی یہی بادل اپنے رب کے نظام سے ہٹ کر اہل سوات پر، Cloud blast، کی صورت گر جائے تو اس کی تباہی کے ہم پاکستانی قوم عینی شاہد بن جاتے ہیں۔ اس کے نیچے ستاروں کی ایک کہکشاں، تاروں کا ایک جھرمٹ ہے جو اپنے رب کے نظام پہ چلتے رہیں، تو انسان ان کے ذریعے رہنمائی حاصل کریں، اپنے راستوں، منزلوں کا تعین کریں۔ اللہ، اللہ! یہی ستارے انسانوں کی رہنمائی کا ذریعہ تو یہی ستارے شیاطین جنوں کے لئے شہابِ ثاقب بھی۔ سورج، چاند اپنے مالک کے نظام پر چلتے رہیں تو ماہرِ فلکیات ان سے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب نکال لیں۔ گرمیوں میں سورج زحمت بنے تو سردیوں میں رحمت بھی، گرمیوں میں سورج سے فرار تو سردیوں میں اس کی تلاش بھی۔ لیکن! یہی سورج کبھی اگر اپنے رب کے نظام سے ہٹنے کا "Advertisement" جھلک دکھا دے تو انسانوں کو بھی "لگ پتہ" جاتا ہے۔ چاند کی روشنی، اللہ اکبر! ارے اومیری با شعور قوم! کبھی چاندنی راتوں میں اللہ کی قدرت کا نظارہ کرنے کی نیت سے چاند کی خوبصورتی، اس کی پھیلی ہوئی روشنی کا نظارہ تو کیجئے۔ کبھی ۱۷ سترھویں رمضان میں غزوہ بدر کی یاد میں دشمنانِ دین و اسلام پر حملہ کی نیت سے پہاڑوں پر راتوں کو سفر تو کیجئے۔ چاند کے لئے اس کے مالک کی طرف سے بنائے گئے نظام کی افادیت کا آپ کو پتہ چلے۔ چلے آسمانوں سے ذرا نیچے آتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو بسانے کے لئے زمین کو بچھایا پھر اسے قرار و سکون دینے کے لئے اس پر پہاڑ بنائے تاکہ زمین کی جنبش رک جائے۔ یہ دریا اور سمندر ضروریاتِ انسانی کے تحت بنائے کہ اس کے کھیتوں کھلیانوں کا سلسلہ چلے اس کے ماکولات و مشروبات کا سلسلہ چلتا رہے۔ ان سب نے یعنی یہ بوڑھا آسمان، یہ بوڑھی زمین، طاقتور ہوائیں، مضبوط پہاڑ، ان دریا، سمندروں نے اس دنیا کے معرضِ وجود میں آنے سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے نظامہائے دنیا دیکھے ہیں۔ چنانچہ وہ خود بھی جب تک اپنے رب کے بنائے گئے نظام کے تحت چلتے ہیں تو باعثِ رحمت ہوتے ہیں لیکن! جس

دن یہ آسمان اپنے رب کے بنائے گئے نظام سے ہٹے گا قیامت برپا ہو جائے گی چنانچہ یہ پہاڑ جب کبھی اپنے رب کے بنائے نظام سے ہٹتا ہے، یہ زمین بھی اپنے رب کے نظام سے ہٹتی ہے جس کے نتیجہ میں زلزلہ برپا ہو جاتا ہے۔ پھر کبھی پاکستان

تمہارا بھی ”بیڑا غرق“ کرتے ہیں۔ سوائے رب کے مقرر کردہ نظام پر ہی چلو کہ اسی میں تمہارے خود کے لئے اور دوسرے انسانوں کے لئے بھی فائدہ ہے۔ من حیث الامت امت مسلمہ اور من حیث القوم ہم پاکستانی لوگ ہر کام کرتے ہیں۔ نہیں

ہوائیں جب کبھی اپنے رب کے بنائے نظام سے ہٹ کر چلتی ہیں تو ایک ہی جھٹکے میں کہیں

اکائی، کہیں دہائی، کہیں سینکڑہ اور کہیں ہزاروں لاکھوں کو اس دنیا سے اڑا کر لے جاتی ہے۔ یہ سمندر جب کبھی اپنے رب کے بنائے نظام سے ہٹتا ہے تو انسانوں کو ان کے رب سے سرکشی کی سزا سنانے کے ساتھ ساتھ لاکھوں کروڑوں کو ڈبو کر لے بھی جاتا ہے۔

میں لاکھوں لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں۔ تو کبھی انڈیا، سری لنکا، نیپال اور نہ جانے کون کون سے ملک اس کے لپیٹ میں آ جاتے ہیں اور یہ زمین بزبان حال انسانوں کو اپنے رب سے بغاوت کا انجام بتا جاتی ہے۔ کہ جب کبھی میں اپنے رب کے بنائے گئے نظام سے ہٹتی ہوں تو مجھ میں بھی دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور تمہاری زندگیوں میں بھی دراڑیں ڈال جاتی ہوں، میرا حسن بھی متاثر ہوتا ہے، تمہارا حلیہ بھی بگاڑ جاتی ہوں۔ ہوائیں جب کبھی اپنے رب کے بنائے نظام سے ہٹ کر چلتی ہیں تو ایک ہی جھٹکے میں کہیں اکائی، کہیں دہائی، کہیں سینکڑہ اور کہیں ہزاروں لاکھوں کو اس دنیا سے اڑا کر لے جاتی ہے۔ یہ سمندر جب کبھی اپنے رب کے بنائے نظام سے ہٹتا ہے تو انسانوں کو ان کے رب سے سرکشی کی سزا سنانے کے ساتھ ساتھ لاکھوں کروڑوں کو ڈبو کر لے بھی جاتا ہے۔ یہ سب اپنے رب کے بنائے گئے نظام سے ہٹ کر ہم انسانوں کو ایک پیغام دے جاتے ہیں کہ جب کبھی ہم اپنے رب کے نظام سے ہٹتے ہیں ہمارا بھی کام بگڑتا ہے اور ہم

کرتے تو بس ایک کام نہیں کرتے، کہ سوچتے نہیں، غور نہیں کرتے۔ کیا ہم نے کبھی سوچا؟ کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان وزمین، چاند سورج، تارے ستارے، دریا سمندر، پہاڑ و صحرا غرض ہر چیز کے لئے ایک نظام وضع کیا تو جس انسان کے لئے یہ ساری چیزیں بنائیں، جس انسان کے لئے یہ ساری چیزیں مسخر کر دیئے، جس انسان کو ان تمام مخلوقات سے افضل بتایا اشرف المخلوقات بتایا، ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ بتایا، تین وزیتون، طور پہاڑ اور امن والے شہر مکہ کی قسم کھا کر بتایا کہ ہم نے انسان کو سب سے اچھے ساخت میں بنایا ہے۔ تو کیا اللہ رب العزت نے اس اشرف المخلوقات کے لئے کوئی نظام نہیں بنایا؟؟ ارے او۔۔۔ و، اپنے آپ کو زندہ و باشعور کہنے والی میری قوم! کبھی سوچو تو سہی! اس حقیر سی بدبودار دنیا میں کوئی چھوٹی سی فیکٹری کا مالک، کسی چھوٹی سی جماعت کا امیر، کسی چھوٹے سے مدرسے کا مہتمم اور کسی بھی چھوٹے سے اسکول و کالج کا پرنسپل اپنے ملازم، اپنے ورکر، طلباء، اسٹوڈنٹس کے لئے کوئی نہ

کوئی قانون تو بناتا ہے، کوئی اصول، کوئی ضابطہ، کسی نظم کا تقرر کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر فیکٹری، جماعت، مدرسہ، اور اسکول و کالج کے مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آتے اور ان کے امن و امان کا مسئلہ الگ بنتا ہے۔ پھر جب کبھی اس نظام یا قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو نہ صرف یہ کہ اس ادارے کا نظام درہم برہم ہوتا ہے بلکہ ان اداروں میں موجود افراد کی زندگیوں میں بھی کھلبلی مچی ہوتی ہے۔ تو بھائیو! ایک چھوٹے سے ادارے کا مالک تو اپنے ادارے میں کام کرنے والے افراد کے لئے کوئی نہ کوئی، rule، کوئی نہ کوئی، discipline بناتا ہے جسے، follow، کرنا لازم ہوتا ہے۔ ورنہ وہ مالک خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دیتا ہے۔ کیا ہم نے کبھی سوچا؟ کہ دونوں جہانوں کے رب نے اپنے بندوں کے لئے کوئی نظام بنایا ہے یا نہیں؟ اگر ہم یہ سوچتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی نظام بنایا ہے۔ تو پھر وہ نظام کیا ہے؟ اور پھر! ہمیں اپنے رب کے نظام کے ہوتے ہوئے کسی جدید ”نظامِ جاہلیت“ (جمہوریت) کی ضرورت کیا ہے؟ اور اگر تو ہم میں سے کسی کی یہ سوچ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم انسانوں کے لئے (معاذ اللہ) کوئی نظام نہیں بنایا پھر تو ہم کسی جدید نظام کی طرف جائیں۔ لیکن! ساتھ ساتھ یہ بھی سوچیں کہ پھر بطور انسان ہماری حیثیت کیا ہے؟؟ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی بھی مخلوق، حیوانات، درند، چرند، پرند، حتیٰ کہ چیونٹی جیسی چھوٹی سی چیز کے لئے بھی کوئی نظام وضع کر دیا ہے اور ہمارے لئے نہیں کیا، کیوں آخر کیوں؟؟ ایسا نہیں ہے یقیناً ایسا ہرگز نہیں ہے!۔ پھر کیوں ہم غیر اللہ کے بنائے گئے نظام میں اپنے

لئے متاعِ حیات ڈھونڈتے ہیں؟ کیوں آخر کیوں؟؟؟ ذرا سوچئے تو وہ بندے کون ہیں؟ کہ جن کے متعلق نظام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ! جن کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں پر فخر فرمایا، جنہیں جنّات سے افضل گردانا۔ لیکن یہ افضلیت اسی صورت میں ہے کہ جب ہم خود کو اپنے رب کی عبودیت میں، غلامی میں تسلیم کر لیں، اس واحد و قہار ذات کے سامنے سر تسلیم خم ہو جائیں۔

اس کو رب مانیں اور پھر اپنے رب کی بات بھی مانیں۔ پھر جو اس نے ہم کو سمجھانے، بتلانے اور جنتانے کی خاطر اپنے رسول اور نبی (علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) بھیجے ہیں، ان کو نبی برحق جانیں بھی ان کی مانیں بھی۔ کوئی شخص ہماری اس دنیا میں اگر اپنے باپ کو باپ تو مانے مگر اسکی بات نہ مانے تو اسے ہم کیا کہیں گے؟ نافرمان، بد بخت، اور پھر ہو سکتا ہے کہ اس کا باپ اپنے اس نافرمان بچے کو گھر سے بھی نکال دے، جائیداد سے بے دخل کر دے، عاق کر دے، اپنا نام چھین لے، پھر وہ دردِ کی ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ چلو اس دنیا میں تو باپ کے مقابل کوئی تایا، چاچا، ماما، حم کھا کر پناہ دیدے، یا پھر وہ بھی دھتکار دے یہ اس کا نصیب۔ لیکن! کیا کبھی ہم نے سوچا؟ ہم اللہ تعالیٰ کو الہ تو مانتے ہیں، رب تو مانتے ہیں پر اس کی بات نہیں مانتے، اس کا دیا ہوا نظام نہیں مانتے، اس کے بتائے ہوئے احکام نہیں مانتے۔ دنیاوی رشتہ میں ہمارے محترم ابا حضور تو اس قدر غیر تمند ہیں کہ اپنی نافرمانی پر وہ ہمیں سزا دیں، ہماری آسائشیں چھین لیں، معاشرہ ہمیں نافرمان اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازے۔

کیا اللہ رب العالمین جو ہمارا خالق ہے، ہمارا مالک

ہے، ہمارا رب ہے۔ وہ غیرت میں نہیں آئیگا؟ ذرا سوچیے! اگر وہ ہمیں دھتکار دے! پھر کیا ہوگا، ہمارا کیا بنے گا؟ یہاں تو چلیں پھر بھی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن! کیا اللہ رب العالمین کے مقابل کوئی پناہ دینے والا ہے؟؟؟ اپنے باپ کی بات نہ مانے پر تو ہم نافرمان ٹھہرے۔ بھلا سوچیے تو! اپنے رب کی بات نہ مانے پر ہم کیا ہوئے؟؟؟ نہ صرف یہ کہ ہم نے اپنے رب کی بات نہیں مانی، اس

حسن عقیدت کوئی بری چیز نہیں ہے۔ لیکن کیا انبیاء علیہم السلام جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سفیر ہیں، ان کے علاوہ کسی بھی فرد کے ہر قول و فعل کو آئین تسلیم کرنا اور اسکی ہر بات، ہر فعل کو معیارِ حق جاننا کیا یہ شرک فی النبوۃ نہیں ہے؟؟ جب اللہ تعالیٰ اعلان فرما چکے ہیں کہ آج کا دن میں نے تمہارے واسطے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔

تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔) کے بعد بھی ہمارے لئے کوئی عذر، کوئی بہانہ بنتا تھا؟ آج ہمارے (بزعم خود) فلاسفر، دانشور (جو عقل و دانش سے بالکل ہی عاری ہوتے ہیں) بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ اسلامی نظام میں اس دور کے مسائل کے لئے (معاذ اللہ) کوئی حل موجود نہیں۔ تو کیا! یہ اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی نہیں؟ ہم کہتے اور لکھتے تو ہیں کہ احکم الحاکمین اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔ مگر ہمارے اس قول کے سامنے پھر ہمارا آزادانہ فیصلے صادر فرمانا کیسا؟ یہ دھوکا کس کو؟ یہ فراڈ کس کے ساتھ؟ ہم ووٹ ڈال کر اپنے لئے قانون ساز چنتے ہیں، جو پارلیمنٹ میں جا کر ہمارے لئے قانون سازی کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقابلے میں انہیں یہ اختیار کس نے دیا؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں ”إِنَّا نَحْكُمُ إِلَّا بِاللَّهِ“ قانون صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کا چلے گا۔ اس دنیا و آخرت میں اگر کوئی قانون ساز ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔ اگر کوئی ذات اس قابل ہے کہ اس کا ہر حکم واجب الطاعت ہو، بذاتِ خود وہ کسی بھی حکم سے مستثنیٰ ہو، اسے انسانوں کے لئے حلال و حرام مقرر کرنا اختیار ہو۔ بھائیو! وہ ذات تو صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہم اگر دنیا کے کسی بڑے سے بڑے قطب، ابدال یا کسی ولی کو ہی یہ اختیار دیدیتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے حلال و حرام کا تعین کریں۔ تو کیا ہم اپنے لئے ”ارباباً قن دون اللہ“ نہیں بنارہے؟؟ یہود و نصاریٰ بھی اپنے علماء اور پادریوں کو پوجتے تو نہ تھے، بلکہ یہی کرتے

تھے کہ ان کے متعین کردہ حلال و حرام کو ہی اپنے لئے حلال و حرام (قانونی، غیر قانونی) مانتے تھے، ان کے بنائے ہوئے قانون کو ہی جائز، ناجائز مانتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے متعلق واضح الفاظ میں فرمادیا: ”اتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَ زُهْنَابَهُمْ أَزْوَاجًا مِّنْ ذُنُوقِ اللَّهِ“ کہ انہوں نے تو اپنے علماء اور پادریوں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا رکھا ہے۔ (التوبہ ۳۱) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی جو تشریح آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ اس بارے میں نص قطعی ہے، کہ کسی غیر الہی قانون اور حکومت کی پیروی ایک عبادت ہے۔۔۔ ذرا سوچیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت؟ پھر ہم کدھر کا رخ کیے کہاں چلے جا رہے ہیں؟ پھر ہمارے قانون ساز! نہ صرف یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حدود و قانون کو نافذ نہیں کرتے بلکہ بزور حکومت اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ ہونے سے روکتے ہیں۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بنایا ہوا ”آئین و قانون“ (معاذ اللہ) ناقص ہے اور کسی بھی ملک کا نظام چلانے کے لئے ناکافی ہے؟ اگر تو کوئی یہ سوچتا ہے! تو پھر اس کا دعوائے اسلام، ایمان و ایقان کیسا؟ لاکھ وہ چیخے چلائے لیکن کیا وہ اپنے فعل سے خدائے وحدہ کے قول کی مخالفت نہیں کر رہا؟ اور پھر کہیں ہم اسے قانون ساز مان کر اللہ رب العزت کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ سوچیے ضرور سوچیے!!! ٹھیک ہے حسن عقیدت کوئی بری چیز نہیں ہے۔ لیکن کیا انبیاء علیہم السلام جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سفیر ہیں، ان کے علاوہ کسی بھی فرد کے ہر قول و فعل کو آئین تسلیم کرنا اور اسکی ہر بات، ہر فعل کو

معیار حق جاننا کیا یہ شرک فی اللہ ہے؟ کیا جب اللہ تعالیٰ اعلان فرما چکے ہیں کہ آج کا دن میں نے تمہارے واسطے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔ اے مسلمانو! کیا اس کے بعد بھی عقل کے گھوڑے دوڑانے کی کوئی گنجائش ہے؟؟ بھائیو! ہم پہلے تو یہ تعین کر لیں کہ ہم نے جانا کس کے پاس ہے؟ ملنا کس سے ہے؟ ہماری منزل کیا ہے؟ اگر تو ملنا نبی کریم ﷺ سے ہے؟ دیدار اللہ تعالیٰ کا کرنا چاہتے ہیں؟ منزل ہم جنت کو سمجھتے ہیں؟ جہنم سے دور دور ہونا چاہتے ہیں؟ پھر تو بھئی! واضح ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک گاڑی ”نظام خلافت“ ایک روٹ ”نظام اسلام“ کا تعین کر دیا ہے کہ یہی گاڑی آپ کو مجھ تک لائیگی۔۔۔ اس کے مقابل کافروں، اللہ کے دشمنوں نے مختلف گاڑیاں ”ڈیموکریسی، مارکسزم، کمیونزم، اشتراکیت“ اور مختلف روٹ ”صدارتی، پارلیمانی، حزب اقتدار، حزب مخالف، امریکی، برطانوی، یورپین“ کے نام سے بنا لئے ہیں۔ اب جو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو پالے گا۔ مگر! جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر چلے گا تو ظاہر ہے کہ وہ منزل سے دور۔۔۔ دور ہوتا چلا جائے گا۔ اور پھر بھلا سوچیے تو سہی کہ ان جدیدیوں نے انسانوں کو ایک بظاہر کیسا خوشنما نعرہ دیا ہے۔ "government of the people for the people by the people" لوگوں کی حکومت، لوگوں پر، لوگوں کے ذریعے۔ ذرا غور کیجیے! کہ انہوں نے عوام الناس کو دھوکہ یہ

کہہ کر دیا کہ یہ (جو سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کی حکومت اصلی ہے یہ) عوام کی حکومت ہے۔۔۔ اب ظلم و جبر کی چکی میں گزشتہ ۶۸ سالوں سے پستی ”عوام الناس“ خود سوچے کہ اس خوشنما لفظ (عوامی حکومت) میں حقانیت کتنی ہے؟ فراڈ کتنا ہے؟ گزشتہ ۶۸ سالوں سے یہ برسر اقتدار طبقہ اپنی اپنی باریاں بدل رہے ہیں۔ اور عوام یہی سمجھتی رہی کہ یہ عوام کی حکومت ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم سوچتے جو نہیں ہیں، غور و فکر جو نہیں کرتے۔ اب دیکھیے کہ برسر اقتدار طبقہ میں سے جس کے پاس پہلے سائیکل تھی اس کے پاس اب پجرا، لینڈ کروزر گاڑیاں آگئیں، آگے پیچھے پروٹوکول کے نام پر ۲۰، ۲۰، گاڑیوں کا قافلہ آگیا۔ ڈاکو لٹیرے ہمارے صدر بن بیٹھے، ”ذرا ہر وقت مسکراتے رہتے کسی چہرہ پر غور تو کریں“ شراب کے رسیا ہمارے رہنما بن بیٹھے۔ ”کبھی ٹیبل ٹاک پر بیٹھے ہوئے کسی شراب کی چغلی کرتی، آنکھوں کا نظارہ تو کریں“ کیا انہی کے ہم نوالہ و ہم پیالہ جناب جمشید دستی صاحب نے بھی کافی ثبوت فراہم نہیں کر دیئے تھے؟ کیا ہم بھول گئے؟ ٹھیک ہے! کچھ ڈرائیور نیک بھی آجاتے ہیں پر وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ لیکن کبھی ہم نے سوچا؟ بھلا! کیا کوئی نیک ڈرائیور کسی غلط گاڑی کو غلط روٹ پر چلاتے ہوئے ہمیں منزل تک پہنچا سکے گا؟؟؟؟ کیا! ان ۶۸ سالوں کے تجربات کے بعد بھی ہم نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا؟؟؟ سوچیے اور ضرور سوچیے!!

بقیہ اگلے شمارے میں

کھلا دشمن

فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کی عظمت کا علمی مظاہرہ اور ان کا امتحان لینے کے لئے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے حکم دیا گیا "اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ"۔ کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے۔! (ص)
اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔! (یس)

سے اگلی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کے جدا جدا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۚ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۚ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۚ قَالُوْۤا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۚ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُنۢجِدُوْنَ وَمَا تُكۢذِبُوْنَ ۚ وَادَّٰرَۃُ الْمَلٰٓئِكَةِ اَسۡجُدُوْۤا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیْسَ ۚ اَبٰی وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ" بقرہ 30 تا 34 ترجمہ اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب

نکالے، لہذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو۔ "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْۤدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارُ ۙ اَعَدَّتْ لِلْكَافِرِیْنَ ۚ وَیَبۡسُرُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْۤا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجۡرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوْۤا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۖ نَسُوا ۗ" سورہ بقرہ (25/24) اب اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو جہنم سے ڈرا رہے ہیں کہ ڈرو اس جہنم سے کہ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے جنت، اس کے باغات اور اس کے میوؤں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَّكُمْ مِّنَّا فِی الْاَرْضِ جَجِیۡعًا" بقرہ 29۔ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے ہی لئے تو بنایا ہے۔ پھر اس

بیزمین، فلک، چاند، تارے، جن و انس، حیوانات، چرند پرند سب کے سب اللہ رب العزت نے ہی تو بنائے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "یٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوْۤا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمُ وَالَّذِیۡنَ مِنْ قَبْلَکُمُ لَعَلَّکُمُ تَتَّقُوْنَ ۚ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَآءَ بِنَآءً ۚ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الشَّجَرِ رِزۡقًا لَّکُمُ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْۤا بَیۡہِۭۙۤاۤ اَنْۢدَادًا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"۔ سورہ بقرہ (ترجمہ) اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (وہ پروردگار) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے رزق کے طور پر پھل

تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ وہ کہنے لگے۔ کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو اس میں فساد مچائے اور خون خرابہ کرے۔ حالانکہ ہم آپ کی تسبیح اور حمد و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں اللہ نے کہا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور آدم کو (اللہ نے) سارے نام سکھا دیئے۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور (ان سے) کہا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ وہ بول اٹھے آپ ہی کی ذات پاک ہے جو کچھ علم آپ نے ہمیں دیا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ حقیقت میں علم و حکمت کے مالک تو صرف آپ ہیں۔ اللہ نے کہا آدم تم ان کو ان چیزوں کے نام بتادو چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتا دیئے تو اللہ نے (فرشتوں سے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں! اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو مجھے اس سب کا علم ہے۔ اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا۔ اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور کافروں میں شامل ہو گیا۔ اسکی تشریح میں مولانا عاشق الہی لکھتے ہیں جس نئی مخلوق کے پیدا فرمانے اور زمین میں خلیفہ بنانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا اول تو پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی اور جب یہ جاندار چیز بن گئی اور جاننے اور پہچاننے کے قابل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ساری چیزوں کے نام بتا دیئے پھر ان چیزوں

کو فرشتوں پر پیش فرمایا، جن کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیئے تھے اور فرمایا تم مجھے ان کے نام بتا دو اگر تم سچے ہو۔ مفتی تقی صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں۔۔ ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی مختلف کیفیات کا علم ہے مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ، اگرچہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے؛ لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرایا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔ مولانا عاشق الہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جب آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کرو۔ حکم تو پہلے سے دیا جا چکا تھا جیسا کہ سورۃ حجر اور سورۃ ص میں ہے۔ "فَإِذَا سَوَّيْنَاهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ" (کہ جب میں اس کو بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا) لیکن جب ان کا علم و فضل ظاہر ہو گیا اور سجدہ کرنے کا سبب یعنی آدم کا افضل ہونا معلوم ہو گیا تو حکم سابق کا اعادہ فرمایا تاکہ فرشتے اپنے عمل سے ان کی فضیلت کا اقرار کریں اور حکم کے مطابق سجدہ میں گر پڑیں۔ لہذا وہ سب آدم کے لیے سجدہ ریز ہوئے اور آدم کی تخلیق سے پہلے ہی جو انہوں نے مفسد اور خون خرابہ کرنے والا کہہ دیا تھا، اس کی بھی تلافی ہو گئی۔ سجدہ تعظیسی کی بحث اور اس کا حکم!

یہ تو یقینی طور سے ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا کیونکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ پھر یہ سجدہ کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں لکھی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اور آدم علیہ السلام کو قبلہ بنایا گیا تھا۔ ان کو قبلہ بنانے سے بھی ان کا مرتبہ ظاہر ہو گیا جیسا کہ کعبہ شریف قبلہ ہے اور اس سے اس کی فضیلت ظاہر ہے۔ مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کی عظمت کا علمی مظاہرہ اور ان کا امتحان لینے کے لئے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے حکم دیا گیا یہ سجدہ عبادت کا نہیں تعظیم کا سجدہ تھا جو بعض پچھلی شریعتوں میں جائز تھا بعد میں تعظیم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تاکہ شرک کا کوئی شائبہ بھی پیدا نہ ہو، یہ سجدہ کروانا اس بات کا بھی مظاہرہ تھا کہ فرشتوں کو اس بات کی تلقین کی جارہی ہے کہ کائنات میں جو چیزیں ان کے اختیار میں دی گئی ہیں وہ انسان کے لئے مسخر کر دی جائیں تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ ان کو صحیح استعمال کرتا ہے یا غلط۔ اگرچہ براہ راست سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا مگر اس میں تمام جاندار مخلوقات بھی شامل تھیں لہذا ابلیس جو جنات میں سے تھا اس پر بھی اس حکم کی تعمیل لازم تھی لیکن جیسا کہ خود قرآن کریم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے اس لئے میں اس سے افضل ہوں میں اسے کیوں سجدہ کروں؟ اس واقعہ سے دو سبق ملتے ہیں ایک یہ کہ اپنے آپ کو بذات خود دوسروں سے بڑا سمجھنا اور اپنی بڑائی بگھانا کتنا بڑا

گناہ ہے اور دوسرا سبق یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح حکم آجائے تو بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کو دل و جان سے بجالائے، چاہے اس کی حکمت اور فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں!

امام ابن جریر، ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کیا کہ ابلیس فرشتوں کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ سے ہے۔

ان کو جن کہا جاتا ہے ان کو فرشتوں کے درمیان سے آگ کی لو سے پیدا کیا گیا۔ اس کا نام حارث تھا

جنت کے داروغوں میں ایک داروغہ تھا۔ تمام فرشتے اس قبیلے کے علاوہ نور سے پیدا کئے گئے۔ اور جن کو

آگ کی لپیٹ سے پیدا کیا گیا۔ اور وہ آگ کی زبان ہے جو آگ کی ایک جانب ہوتی ہے جب وہ

بھڑک اٹھے۔ سب سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں جن تھے۔ انہوں نے اس میں فساد کیا۔

خون بہائے اور ان کے بعض نے بعض کو قتل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ایک لشکر میں ان کی طرف

ابلیس کو بھیجا۔ انہوں نے ان سے جنگ شروع کی یہاں تک کہ ان کو سمندروں کے جزیروں اور

پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔ جب ابلیس نے یہ کام کیا تو اپنے دل میں تکبر کیا اور کہنے لگا میں نے جو کام کیا

وہ کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل سے اس بات پر واقف ہوئے مگر فرشتے واقف نہ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا ”انی جاعل فی الارض خلیفۃ“ فرشتوں نے عرض کیا ”قلوا اتجعل

فیہا من یفسد فیہا ویسفسک الدماء“ (پھر) فرمایا میں ابلیس کے دل سے تکبر اور غرور پر مطلع ہو چکا ہوں

کہ تم اس پر مطلع نہیں ہوئے۔ پھر (اللہ تعالیٰ نے)

آدم علیہ السلام کی مٹی لانے کا حکم فرمایا تو وہ لائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایس دار اور بد بودار

مٹی سے پیدا فرمایا وہ مٹی کے بعد سڑا ہوا گارا تھا اسی میں سے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا پھر جسم کو چالیس

راتیں پڑا رکھا۔ ابلیس اس کے پاس آکر اس کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارتا تھا تو وہ چھینکتا اور آواز دیتا تھا۔

پھر اس کے منہ کے راستے اندر داخل ہو کر اس کی دبر سے باہر نکل آتا تھا۔ اور اس کی دبر سے اندر داخل

ہو کر اس کے منہ سے نکل آتا تھا۔ پھر کہتا تھا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تجھے کس لئے پیدا کیا گیا۔ اگر میں

ابلیس چونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ہوا تھا اس لیے اس

نے ان سے اور ان کی اولاد سے انتقام اور بدلہ لینے کا فیصلہ کیا حالانکہ حماقت اس کی تھی

رب العالمین جل مجدہ کے حکم سے سرتابی کی ملعون ہونے کا کام خود کیا

تجھ پر مسلط کر دیا گیا تو ضرور تجھ کو ہلاک کردوں گا اور اگر تو مجھ پر مسلط ہو گیا تو میں ضرور تیری نافرمانی

کروں گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر روح پھونکی اپنی روح میں سے، تو وہ روح گزرتی گئی

وہاں گوشت اور خون پیدا ہوتا گیا۔ جب روح ناف تک پہنچی تو انہوں نے اپنے جسم میں سے جس چیز کو

دیکھا اس کو بہت پسند کیا۔ (پھر) انہوں نے کھڑے ہونے کو شش کی۔ مگر اس پر قادر نہ ہوئے

اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ“ (کہ انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے)

جب اس کے جسم میں روح پوری ہو گئی تو ان کو

چھینک آئی۔ (اس پر اللہ تعالیٰ کے الہام کی وجہ سے) انہوں نے کہا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ النَّاسِ“۔ پھر

(اللہ تعالیٰ نے) ان فرشتوں سے فرمایا جو ابلیس کے ساتھ تھے خاص طور پر، سوائے ان فرشتوں کے جو آسمانوں میں تھے۔ ”اُسْجُدُوا لِآدَمَ!“ (سجدہ کرو

آدم کو) فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ، أَبَى وَاسْتَكْبَرَ“ (سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا انکار اور تکبر کرتے ہوئے) جب اس کے دل میں تکبر پیدا ہوا

تو کہنے لگا میں اس کو سجدہ نہیں کروں گا اور میں اس سے بہتر ہوں اور عمر میں بڑا ہوں اور پیدائش کے

لحاظ سے زیادہ طاقتور ہوں۔ تو (اس پر) اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام خیر سے مایوس کر دیا اور اس کو شیطان

دھتکارا ہوا بنادیا۔ اس بارے میں آئیے اللہ تبارک و تعالیٰ اور ابلیس کے مابین اس وقت ہونے

والا مکالمہ پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّہُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ اِلَّا اِبْلِیْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔“

اَجْمَعُوْنَ سُوْرہ ص 71-85

(ترجمہ)؛ یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گارے سے ایک انسان پیدا

کرنے والا ہوں۔ چنانچہ جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ پھر ہوا یہ کہ سارے کے سارے فرشتوں نے توجسجدہ کیا۔ البتہ ابلیس نے نہ کیا، اس نے تکبر سے کام لیا اور کافروں میں شامل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: ابلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا ہے؟ کیا تو نے تکبر سے کام لیا ہے، یا تو کوئی بہت اونچی ہستیوں میں سے ہے؟ کہنے لگا: میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اچھا تو نکل جا یہاں سے۔ کیونکہ تو مردود ہے۔ اور یقین جان قیامت کے دن تک تجھ پر میری پھینکا رہے گی۔ اس نے کہا: میرے پروردگار! پھر تو مجھے اس دن تک کے لیے (جینے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا: چل تجھے ان لوگوں میں شامل کر لیا گیا ہے جنہیں مہلت دی جائے گی۔ (لیکن) ایک متعین وقت کے دن تک۔ کہنے لگا: بس تو میں تیری عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان سب کو بہکاؤں گا، سوائے تیرے برگزیدہ بندوں کے۔

اللہ نے فرمایا: تو پھر سچی بات یہ ہے اور میں سچی بات ہی کہا کرتا ہوں۔ کہ میں تجھ سے اور ان سب سے جو ان میں سے تیرے پیچھے چلیں گے، جہنم کو بھر کر رہوں گا۔

مولانا عاشق الہی بلند شہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ شانہ نے ابلیس سے فرمایا "اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْغَالِيْنَ"۔ کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے

درجے والوں میں سے ہے۔۔ یعنی کیا تو غرور میں آگیا اور واقع میں بڑا نہیں ہے یا کہ تو واقع میں ایسے بڑے درجہ والوں میں سے ہے جس کو سجدہ کا حکم کرنا زیا نہیں۔ ابلیس نے کہا یہ شق ثانی ہی واقع ہے یعنی اس کو سجدہ کرنا میری شان کے لائق نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور اسے کچھ سے پیدا فرمایا ہے۔ لہذا میں اس سے بہتر ہوں اور مجھے یہ حکم دینا کہ اسے سجدہ کروں میری شان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلا شک تو مردود ہو گیا اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے اور جس پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی وہ اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کما قال اللہ تعالیٰ شانہ "فَاَذَنْ مَّوَدَّنَ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ"۔ ابلیس کو تکبر کھا گیا۔ ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے اور معافی مانگنے کے لیے نہ ہوا بلکہ اس نے لمبی عمر ہونے کی درخواست کر دی اور یوں کہا کہ اے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے (یعنی قبروں سے نکلیں گے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے نفع ثانیہ کا وقت مراد ہے مطلب ابلیس ملعون کا یہ تھا کہ مجھے لمبی زندگی دے دی جائے اور اتنی لمبی ہو کہ قیامت پر ہی ختم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے ایک وقت تک مہلت دی گئی اب تو اس نے اپنے نفس میں جو بات چھپا رکھی تھی وہ ظاہر کر دی "وفی تفسیر القرطبی اراد الملعون ان لا يموت فلم يجب الی ذلک و اخر الی الوقت المعلوم وهو يوم يموت الخلق فیہ فاحر الیہ تھا ونا بد"۔ ص ۲۲۹-ج ۱۵۔ (تفسیر قرطبی میں ہے کہ شیطان کی خواہش تو یہ تھی کہ اسے

موت ہی نہ آئے لیکن اس کی یہ خواہش قبول نہیں ہوئی اور اسے وقت معلوم یعنی تمام مخلوق کی موت کے دن نفع ثانیہ تک اسے مہلت دینے کے لیے اس کی موت مؤخر کی گئی۔) اور کہنے لگا کہ اے رب آپ کی عزت کی قسم میں ان لوگوں کو (جو اس نئی مخلوق کی نسل میں ہوں گے) سب کو بہکاؤں گا کفر پر اور آپ کی نافرمانیوں پر ڈالوں گا اور برے کاموں کو اچھا بتاؤں گا مگر جن لوگوں کو آپ نے اپنی اطاعت کے لیے چن لیا اور میرے بہکانے سے بچا دیا ان پر میرا بس نہ چلے گا۔ ابلیس چونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ہوا تھا اس لیے اس نے ان سے اور ان کی اولاد سے انتقام اور بدلہ لینے کا فیصلہ کیا حالانکہ حماقت اس کی تھی رب العالمین جل مجدہ کے حکم سے سرتابی کی۔ ملعون ہونے کا کام خود کیا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کیا اس کے حکم کو غلط بتایا اور ٹھان لی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے بدلہ لینے کی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے ابلیس کو لمبی زندگی بھی دیدی اور بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرنے کا موقع بھی دے دیا اور انسانوں کو بتا دیا کہ یہ اور اس کی ذریت تمہارے دشمن ہیں تم ان سے چوکنے رہنا، ان کے بہکاوے میں نہ آنا اور خیر اور شر کے دونوں راستے بتا دیئے، انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے۔ پھر اپنے خلفاء کے ذریعے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا کہ جو شخص شیاطین کی باتوں میں آئے گا راہ حق چھوڑے گا، وہ اپنی بربادی کا خود ذمہ دار بنے گا۔ ابلیس اور اس کے متبعین سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا، جب

ابلیس نے کہا میں بنی آدم کو ورغلاؤں گا اور بہکاؤں گا اور راہ حق سے ہٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں (تو اپنی اور اپنے پیچھے چلنے والوں کی سزا ابھی سے سن لے) میں تجھ سے اور جو لوگ ان میں تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا، یہ بات اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بھی فرمادی اور جب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو زمین پر بھیجا جانے لگا اس وقت ان کو خطاب کر کے صاف صاف بتا دیا "فَاتِمَا يَا بَنِيَّكُمْ بَنِيَّ هُدًى فَمَنْ نَجَّ هُدًى فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" (سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے سو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا ان لوگوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ پس تب سے لے کر قیامت تک انسانوں اور شیطانوں کے درمیان عداوت شروع ہے اور ازل سے لیکر قیامت کی صبح تک یہ جنگ جاری رہیگی۔ شیطان نے بھی قسم اٹھائی ہے انسانوں کو ذلیل و خوار کرنے کی چنانچہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا: "قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا أَغْوِيَهُمْ أَجْمَعِينَ" شیطان نے کہا: یا رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لیے اب میں قسم کھاتا ہوں کہ ان انسانوں کے لیے دنیا میں دلکشی پیدا کروں گا۔ اور ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ اللہ رب العزت نے بھی فرمایا: "يَبْنِي عِبَادِيَّ إِنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ" اللہ

رب العزت فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو بتا دو کہ میں ہی بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ اور یہ بھی بتا دو کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔۔۔ انسانوں نے بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے کچھ عہد و پیمان کئے تھے جن کا اللہ تعالیٰ انسانوں کو یاد دلاتے ہیں: "أَلَمْ اٰعْهَدْ اِلَيْكُمْ بِنَبِيِّ اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ وَاَنْ اَعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيْمٌ۔ وَلَقَدْ اٰصَلْتُ مِنْكُمْ جِبَلًا كَثِيْرًا۔ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ"۔۔۔ اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کر دی تھی (کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا) کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تم میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو گمراہ کر ڈالا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔؟"

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں!

(آیت) اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ بِنَبِيِّ اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ، یعنی تمام بنی آدم کو (بلکہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی) مخاطب کر کے قیامت میں کہا جائے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تم کو یہ ہدایت نہ کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کفار عموماً شیطان کی عبادت تو نہ کرتے، بتوں کو یا دوسری چیزوں کو پوجتے تھے، اس لئے ان پر عبادت شیطان کا الزام کیسے عائد ہوا؟ جواب یہ ہے کہ کسی کی اطاعت مطلقہ کرنا کہ ہر کام ہر حال میں اس کا کہنا مانے اسی کا نام عبادت ہے چونکہ ان لوگوں نے ہمیشہ شیطانی تعلیم ہی کی پیروی کی، اس لئے ان کو عابد شیطان کہا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں اس شخص کو جو مال یا بیوی کی محبت میں آکر ہر وہ کام کرنے

لگے جس سے مال بڑھے یا بیوی راضی ہو اگرچہ خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہو ایسے شخص کو حدیث میں عبدالدرہم اور عبدالزور کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس دوستو! شیطان اور انسان کے درمیان ایک ازلی جنگ ہے قیامت تک ہم نے ایک دوسرے سے ٹکراتے رہنا ہے شیطان تو ہمیں گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے ہم ہی ہیں جو غافل بیٹھے ہیں وہ ہمارے نظر میں ہر برے کام کو خوشما بنا کر دکھا رہا ہے۔ کیونکہ اسے اللہ رب العزت کی طرف سے دیا گیا مہلت یاد ہے جو کہ ایک وقت مقررہ تک ہی ہے۔ لیکن ہم مسلمان بھلا بیٹھے ہیں کہ ہمیں اس دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَنۡتُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ" اس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے۔ اور وہی ہے جو مکمل اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔ پس خوب غور کر لو کہ ہم دنیا کا امتحان دینے سے پہلے تو کس قدر تیاری کرتے ہیں راتوں کی نیند تک حرام کر لیتے ہیں کہ کسی طرح پاس ہو جائیں جو کہ عارضی امتحان ہے۔ پس اسی طرح آخرت کا امتحان بھی ہماری تیاریوں کا متقاضی ہے۔ شیطان بھی اپنا زور لگا رہا ہے کہ وہ ہمیں اس امتحان میں ناکام کر دے کیوں کہ وہ بھولنا نہیں ہے کہ انسان ہی کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ راندہ درگاہ ہوا، ابلیس اور ملعون ٹھہرا۔ کہیں ہم تو نہیں بھول گئے کہ شیطان ہمارا دوست نہیں دشمن ہے؟؟ دوستو۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری تیاری کتنی ہے؟ جبکہ اللہ رب العزت کی مدد بھی ہمارے شامل حال ہے۔



”دہشت گردی کے خلاف جنگ“

گردی کے خلاف جنگ نہیں ہوتی، وہ تو حقوق کی جنگ ہوتی ہے، حریت کی جنگ ہوتی ہے، وطن، قوم، قبیلہ کی جنگ ہوتی ہے، اس جنگ میں شرکت کرنے والے دہشت گرد نہیں ہوتے، ان کے تو نغمے گائے جاتے ہیں، ان کی تو یادگاریں بنائی جاتی ہیں، یہ سب تو معزز و محترم ٹھہرتے ہیں۔۔۔ دوسرا وہ نظریہ ہے جس کے پیروکار دہشت گرد ہیں، ان کے بچے دہشت گرد، ان کی عورتیں دہشت گرد، ان کے بوڑھے دہشت گرد۔ ان کا نظریہ ہے کہ وہ دنیا میں اُسی طریق پر زندہ رہتے ہوئے زندگی گزارنا چاہتے ہیں جس کی انہیں ان کے رب نے ہدایات دی ہیں۔ اس نظریہ کے ماننے والے اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھاتے ہیں تو ان کو دہشت گرد کہا جاتا ہے۔ جی ہاں! یہی ہیں دنیا بھر کے دہشت گرد کشمیر و عراق میں اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھائیں تو دہشت گرد، افغانستان میں اپنے دفاع کے لیے ہتھیار

علمبردار ہیں، ٹھیکیدار ہیں۔ ان سے پوچھنے والا تو کوئی نہیں، انہوں نے تو جو کچھ کیا وہ انسانیت کے فلاح و بقا اور امنِ عالم کے لیے کیا ہے۔۔۔ پھر دہشت گردی کیا ہے؟ جس کے خلاف اتنے عرصے سے جنگ جاری ہے کافر حکمران ہوں یا مسلم، سب بیک زبان اس جنگ کو جاری رکھنے پر ایک ہیں۔ ان سے چھکارہ پانے پر سب متفق ہیں تمام قوتیں اس پر صرف کرتے ہوئے ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ نظریات کی جنگ ہے جس میں یہ سب کود پڑے ہیں ان میں ایک نظریہ کے پیروکار تو یہ سب لوگ ہیں، جو آج تک کروڑوں انسانوں کو قتل کرتے رہے اور ان کی نسلوں کو غلام بناتے رہے۔ ان کا نظریہ تو صرف انسانوں پر ظلم و ستم کر کے انہیں ڈرا دھمکا کر ان پر حکمرانی کو قائم رکھنا ہے۔ اگر کوئی ان کے نظریہ کا حامی ہی کبھی ان کے مقابل آجائے تو اس سے بھی جنگ تو کرتے ہیں لیکن وہ دہشت

دنیا میں ایک جنگ شروع کی گئی جس کو کوئی پندرہ برس ہونے کو ہیں۔ ”war on terror“، یعنی ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ اس لفظ یا اصطلاح سے اس سے پہلے کوئی واقف نہ تھا۔ امریکہ میں سرخ ہندیوں (Red indian) کی عام نسل کشی ہو یا الجزائر و برصغیر میں برطانویوں اور فرانسیسیوں کا ظلم و جبر، ویتنام میں لوگوں کا قتل عام ہو یا جنگِ عظیم اول و دوم میں کروڑوں لوگوں کا خاک و خون میں لت پت ہونا، ہیر و شیمانا گاسا کی پرائیٹ بم کے ذریعے عام تباہی ہو یا فلسطین میں نہتے اور معصوم لوگوں کا قتل عام، بوسنیا کے مسلمان ہوں یا وہ جو عراق و افغانستان میں لاکھوں کی تعداد قبروں میں اتار دیئے گئے۔ ہندوستان و کشمیر میں ظلم و سربریت ہو یا شام میں بشاریوں کا قہر، یہ سب نہ دہشت گردی تھا اور نہ اب تک اس اصطلاح کی زد میں آئے، یہ سب کرنے والے تو امن کے

اٹھائیں تو دہشت گرد، فلسطین میں اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھائیں تو دہشت گرد، بوسنیا و چچنیا میں اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھائیں تو دہشت گرد، صومالیہ و الجزائر میں اپنے دفاع کے واسطے ہتھیار اٹھائیں تو دہشت گرد، عراق و شام میں اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھائیں تو دہشت گرد، یہی ہیں دہشت گرد۔۔۔ کیوں؟ کیونکہ ان سب میں ایک چیز متفقہ پائی جاتی ہیں۔۔۔ وہ ہے اسلام!! وہ ہے ان سب کا مسلمان ہونا!! جی ہاں ”دہشت گردی“ کی جنگ اسی کو تو کہتے ہیں، جو مسلمانوں کے خلاف لڑی جائے، بیشک وہ دنیا کے کسی خطے میں ہو۔ ”war on terror“ تو انہی کے خلاف شروع کی گئی جنگ کا نام ہے جس میں مسلم وغیر مسلم تقریباً سب ممالک شامل ہیں۔ یہ ایک نہ ختم ہونے والی جنگ ہے۔ یہ کچھ قوموں یا کچھ ملکوں کی نہیں، نہ ہی یہ کچھ لوگوں کی آپس کی جنگ ہے، جیسا کہ چند ”بصیرت سے خالی“ آنکھوں کو نظر آ رہا ہے۔ نہیں بلکہ یہ دو تہذیبوں اور دو نظریوں کی جنگ ہے، دنیا میں ازل سے یہ جنگ جاری ہے، اور تا ابد جاری رہے گی۔ ایک شیطانی نظریہ۔ اور دوسرا رحمانی نظریہ۔ شیطانی نظریہ والے ہمیشہ ہی سے (اپنے پروپیگنڈوں، فریبوں، جھوٹے دعووں، اور مکاریوں کے ذریعے) امن کے علم بردار ٹھہرے، اور دوسری طرف رحمانی نظریہ رکھنے والے افراد ہمیشہ سے ہی (بیشک وہ بے سروسامان، کسمپرسی ہی کی حالت میں کیوں نہ ہو) دہشت گرد ٹھہرائے گئے۔ جد امجد ابوالانبیاء حضرت آدم (علیہ السلام) کے ساتھ ابلیس اپنے لشکر سمیت معرکہ آرا ہوا، تو نوح (علیہ السلام) کے ساتھ ان کی اپنی قوم لڑنے

نکلی، انبیاء (علیہم السلام) آتے رہے اور حق کی سر پرستی و ترویج میں اپنا سب کچھ لٹاتے رہے۔ اُس وقت گروہ شیطانی کے سرخیل! انبیاء علیہم السلام کے لیے (العیاذ باللہ) پاگل، مجنوں، دیوانہ، جادوگر اور نہ جانے کیا کیا اصطلاحیں ایجاد کرتے رہے اور خود خدا بنے بیٹھے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اس لیے کہ وہ نمرود اور اس کی قوم کو رحمانی نظریے کی دعوت دیتے تھے، اس لیے دہشت گرد ٹھہرے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو

عصر حاضر میں ہر وہ شخص دہشت گرد ہے جو صحیح مسلمان ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین کا داعی ہے، خواہ وہ کسی کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے یا چپ چاپ ظلم سہتا رہے، دنیا میں امن کے ٹھیکیدار اسے دہشت گرد ہی کہیں گے۔ راستہ جو بھی اپنائے خواہ جمہوریت کا ہی کیوں نہ ہو، لیکن داعی تو اللہ تبارک تعالیٰ ہی کے نظام کا ہے، اس لیے دہشت گرد ہے۔

آرے سے چیرا گیا کیونکہ وہ دہشت گرد تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بچنے کے لیے بنی اسرائیلیوں کے ہزاروں بچوں کو ذبح کر دیا گیا کیونکہ وقت کے فرعون کی نظر میں وہ دہشت گرد تھے حضرت عیسیٰ جن کو ان کے قوم نے (اپنی گمان کے مطابق) سولی پر چڑھا دیا کیونکہ ان کی قوم کے خیال کے مطابق وہ بھی دہشت گرد تھے۔ آقا مدنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی نظروں میں، وقت کے فرعونوں، امن کے علمبرداروں (ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ابولہب وغیرہ) کی نظروں میں دہشت گرد ٹھہرے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کی دعوت دینے نکلے

تھے، جی ہاں اسی نظریے کی دعوت کہ جس نظریہ پر چلنے والے آج بھی دہشت گرد ٹھہرائے جاتے ہیں اسلام کے وہ مظلوم غلام حضرت بلالؓ و خبابؓ مکہ کی سنگلاخ پتھروں پر گھسیٹے گئے، دھکتے انگاروں پر لٹائے گئے، کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے رحمانی نظام پر ڈٹنے کی بنیاد پر دہشت گرد ٹھہرے، حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرامؓ بھی اپنے قوم کے باغی اور دہشت گرد تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ حق کی پیروی ہی کے جرم عظیم میں سبقت کرنے کی وجہ سے دہشت گرد ٹھہرے۔ جی ہاں آلِ یاسرؓ پر جو مظالم ڈھائے گئے، حضرت سمیہؓ کو دو انٹوں کے ساتھ باندھ کر انٹوں کو دو مخالف سمت میں چلا یا گیا، حضرت زبیرؓ کی آنکھیں نکال لی گئیں، اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کا نام اسی ”رحمانی نظریے“ پر چلنے کی بدولت امن کے علم برداروں کی طرف سے ”most wanted“ کی لسٹ میں شامل کر لیا گیا تھا، سب اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق کے علمبردار تھے اسی لیے دہشت گرد ٹھہرے۔ حق کے پیروکار ازل سے ہی شیطانی لشکروں (امن کے علمبرداروں) کے مقابلے میں دہشت گرد ٹھہرائے گئے۔ ہمیشہ ہر وقت و زمانہ میں یہ القاب مختلف ناموں سے منسوب رہے۔ عصر حاضر میں ہر وہ شخص دہشت گرد ہے جو صحیح مسلمان ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین کا داعی ہے، خواہ وہ کسی کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے یا چپ چاپ ظلم سہتا رہے، دنیا میں امن کے ٹھیکیدار اسے دہشت گرد ہی کہیں گے۔ راستہ جو بھی اپنائے خواہ جمہوریت کا ہی کیوں نہ ہو، لیکن داعی تو اللہ تبارک تعالیٰ ہی کے نظام کا ہے، اس لیے

دہشت گرد ہے۔ مصر میں انخوان المسلمون کے صدر محمد مرسی انہی کے منتخب کردہ ”جمہوری“ طریقے سے اسلامی ملک کے صدر بن گئے یہ بات بھلا شیطانی لشکر کے سرغنہ کب برداشت کر سکتے تھے؟ لہذا ”عوام کے منتخب کردہ جمہوری“ صدر بھی امن کے ان علمبرداروں کے نظر میں دہشت گرد ٹھہرے اور سزائے موت کے حقدار ٹھہرے، صدر مرسی کے حق میں احتجاج کرنے والی ہماری ہی مسلمان بہنیں۔۔۔ ۱۱، ۱۱۔۔ سال قید با مشقت کی حقدار ٹھہرائیں گئیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جب صدر مرسی کو اقتدار سے ہٹایا گیا تو لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے احتجاج کیا جن میں سے ہزاروں کو خاک و خون میں نہلا دیا گیا۔ شام میں تقریباً چار سال سے جاری جنگ جو صرف سنی مسلمانوں کے خلاف ہے صفویوں نصیریوں نے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا صرف ایک دن میں چار ہزار کے قریب مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، کیمیائی حملے کیے گئے، بیرل بم پھینکے گئے، مد مقابل نہتے لوگ تھے تو وہ بھی ”دہشت گرد“ تھے جب ان کی مدد کے لیے حق والوں نے علم جہاد بلند کیا تو وہ دہشت گرد ٹھہرے، کیونکہ انہوں نے اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کو بشاریوں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے ہتھیار اٹھالیے تھے۔ اور بشار الاسد اپنے تمام تر ہتھکنڈے اور مظالم استعمال کرنے کے باوجود امن پسند ٹھہرا۔ یہ دنیا کے ٹھیکیدار ”امن پسند“ اپنے مفادات کی تحت کسی کو امن پسند تو کسی کو دہشت گردی کا لقب دیدیتے ہیں، میانمار برما میں بدھسٹوں نے ۲۰ ہزار مسلمانوں کو تڑپا تڑپا کر زندہ جلا ڈالا، زمین کو راکھ سے بھر دیا لیکن

مارنے والے امن پسند ہوئے اور مرنے والے چونکہ مسلمان تھے سو وہ دہشت گرد ٹھہرے۔ کسی نے ان مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کی نہ کسی نے انہیں پناہ دی بلکہ سب نے مل کر ان مظلوم مسلمانوں کو واپس ان ظالم بدھسٹوں کی طرف ہی دھکیل دیا جہاں وہ پھر سے خاک و خون میں نہلا دیئے گئے۔ دہشت گرد جو تھے اسی لیے امن کے ”Champions“ نے انہیں بھلا دیا۔ گجرات کے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والا مودی دہشت گرد نہیں بلکہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کی دعویدار ”امن کا علم بردار“ عوامی جمہوریہ ہندوستان کا وزیر اعظم ہے۔ غزہ کے مظلوم مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والا اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو ”امن کا علم بردار“ اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے ہتھیار اٹھانے والی حماس ”دہشت گرد“ ٹھہری۔ یہ دنیا ہے یہاں طاقت والا جو کہتا ہے وہی سچ ہے، وہی حق ہے اور مظلوم روتا رہے پیٹتا رہے اس کی سننے والا کوئی نہیں، دہشت گرد جو ٹھہرا، اسے جینے کا حق نہیں، اسے بولنے کا حق نہیں، اسے حق ہے تو ظلم سہنے کا، لاشیں اٹھانے اور دفنانے کا، چپ رہنے کا اور سب کچھ برداشت کرتے رہنے کا، انہیں انسان تو کیا جانوروں جتنا حقوق بھی حاصل نہیں۔ جی ہاں۔۔ میری آپ کی بہن۔۔، امت مسلمہ کی مظلوم بیٹی۔۔ ”ڈاکٹر عافیہ صدیقی“۔۔ نہتی تھی۔۔ کمزور و صنف نازک۔۔، لاچار اور بیمار تھی۔۔ پھر تنگ و تاریک۔۔ کوٹھڑی میں۔۔ پابند سلاسل تھی، بولنے تک کی۔۔ جس کو اجازت نہ تھی، کہتے ہیں کہ اس نے بندوق اٹھائی ”نگ انسانیت، وحشی درندے، بندر نما امریکی“ فوجیوں پر جو

مردنما، مسلح اور آزاد تھے، انہیں تو کچھ نہ ہوا لیکن۔۔ گولیاں چلی عافیہ پر۔۔ مقدمہ بنا عافیہ پر۔۔ ۸۶ سال کی سزا ہوئی۔۔ تو میری اور آپ کی بہن عافیہ کو۔۔ اس لیے کہ وہ دہشت گرد تھی، اور مد مقابل ”امن کے علم بردار“، امن کی بحالی کے لیے عافیہ کو پاکستان سے افغانستان اور پھر امریکہ لے گئے تھے۔ افغانستان میں بھی جب تک عوام قومی لیڈروں اور کمانڈروں کے ہاتھوں اپنی جان مال اور عزت گناتے رہے تب تک ان امن کے علم برداروں کو کوئی مسئلہ نہ تھا مگر جب ملا محمد عمر مجاہد (حفظہ اللہ) کی امارت کے جھنڈے تلے متحد ہو کر چند ”غیور اور رحمانی نظریہ کی باتیں کرنے والے“ مسلمانوں نے اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے انہیں ظالموں کی چنگل سے نجات دلا کر وہاں امن و سکون نافذ کر دیا، تو اس جرم میں وہ دہشت گرد ٹھہرے، اور اس زمانے کا فرعون اپنی دعوائے خداوندی ”اَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلٰی“ میں بدست ہو کر اپنے تمام ”نیٹو نان نیٹو“ اتحادیوں (امن کے علم برداروں) کے ساتھ مل کر اس ٹوٹے پھوٹے بد حال ملک پر چڑھ دوڑا۔ ظاہر ہے کیونکہ وہ رحمانی نظریہ قائم کرنے کی بنا پر دہشت گرد جو ٹھہرے۔ مبارک ہو۔۔ بہت مبارک ہو۔۔ ان ”دہشت گردوں“ کو کہ انہیں جو القابات دیئے گئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو بھی انہی القابات سے نوازا گیا تھا۔ غمگین نہ ہوں کہ یہ دہشت گرد جس کے لیے یہ سب کچھ کرتے ہیں وہ رب انہیں اونچے جنتوں کی اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں کی خوشخبریاں سناتا ہے۔۔

مسئلہ سود

ادیانِ عالم کی نظر میں

”رسول اکرم ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سود کے لکھنے والے اور معاملہ سود کی گواہی دینے والوں پر لعنت کی“
روما کے مقنن، ہندو اور یہودی مصلح بھی سود کو برا سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ جاہلیت میں بھی بعض عرب سود کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔!
عیسائی عالموں اور پادریوں نے توریت اور زبور کی پیروی میں سود کو حرام قرار دیا تھا۔!

احادیث میں سود کی ممانعت!
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت قرآن کے شارح کی تھی چنانچہ احادیث میں بھی سود کی ممانعت کے احکام ہیں۔ حضور کریم ﷺ نے سودی کاروبار کرنے والوں سودا کرنے والوں اور سودی کاروبار کے حسابات دستاویز وغیرہ لکھنے والوں کو مساوی طور پر مجرم قرار دیا ہے تاکہ سودی کاروبار دنیا سے مٹ جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ”رسول اکرم ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سود کے لکھنے والے اور معاملہ سود کی گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ وہ تمام (معصیت کے ارتکاب میں) برابر ہیں“ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو آخری خطبہ دیا تھا اس میں ارشاد فرمایا کہ ”ہر قسم کا سود ساقط ہے البتہ اصل رقم تمہاری ہے وہ تم کو ملنی چاہیے تاکہ نہ تم پر ظلم ہو اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرو، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود قطعی ساقط ہے میں عباس بن عبدالمطلب کے سود سے آغاز کرتا ہوں جو تمام کا تمام قطعی ساقط ہے، اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی کے لیے اپنے بھائی کی چیز زبردستی لینا جائز نہیں سوائے اس کے جو وہ اپنی مرضی سے دے اپنے اوپر ظلم نہ کرنا، اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیام پوری طرح پہنچا دیا“ اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اسی خطبے یا انسانی منشوری اعلان کے بعد تکمیل دین کی آیت نازل ہوئی کہ ”الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا“ (المائدہ: ۳) ”آج میں تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر چکا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا“ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک بار یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے جو آپؐ کے ساتھ تھا کہا کہ اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو اس کے نزول کے دن ہم عید مناتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا خود یہ آیت اجتماع عیدین کے موقع پر جو ایک ساتھ عرفہ کے موقع پر جمعہ کے دن جمع ہو گئی تھیں نازل ہوئی ہے۔ خطبہ مذکورہ میں آپؐ نے نہ صرف ہر قسم کے سودی کاروبار کی ممانعت کا اعلان کر دیا بلکہ خود عملی طور سے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی جانب سے ان کی تمام واجب الوصول سود کی رقم کو منسوخ قرار دیا۔ ”حضرت عباسؓ کا روپیہ بے شمار لوگوں میں پھیلا ہوا تھا“ اور انہوں نے باقاعدہ شراکتی کمپنی قائم کی تھی جو سود کا رو بار کیا کرتی تھی۔ بارڈر اور سود: قدیم عرب میں بارڈر کا رواج تھا یعنی اشیاء سے اشیاء کا تبادلہ عمل میں آتا تھا۔ ایک شخص کوئی چیز، مثلاً ایک من گیہوں قرض لیتا اور دوسرے گیہوں قرض خواہ کو ادا

کرتا۔ ایسا ہی جیسے کہ سو روپے قرض لے اور دو سو روپے ادا کرے۔ رسول کریم ﷺ کی دور رس معاشی نگاہ سے یہ بات کیونکر چھپ سکتی تھی پس آپ نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ سود صرف زر کے لین دین تک ہی محدود نہیں بلکہ سود کے ذیل میں اور اشیاء بھی شامل ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”الذهب بالذهب ربوا الا ہاء و ہاء والورق بالورق ربوا الا ہاء و ہاء والبر بالبر ربوا الا ہاء و ہاء والشعیر بالشعیر ربوا الا ہاء و ہاء والتمر بالتمر ربوا الا ہاء و ہاء“ (صحیح البخاری) سونے کو سونے سے بدلنا سود ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو۔ چاندی کو چاندی سے بدلنا سود ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو۔ گیلہوں کو گیلہوں سے بدلنا سود ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو۔ جو کو جو سے بدلنا سود ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو اور، کھجور کو، کھجور سے بدلنا سود ہے مگر یہ کہ دست بدست ہو تو مضا لفقہ نہیں۔“ پھر آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ”سونا سونے سے بدلنا اور چاندی، چاندی سے بدلنا اور گیلہوں، گیلہوں سے بدلنا اور جو، جو سے بدلنا اور کھجور، کھجور سے بدلنا اور نمک، نمک سے بدلنا برابر اور دست بدست ہو تو جائز ہے) مگر زیادتی ادھار یا نقد کے ذریعے جائز نہیں) ہاں جب یہ اصناف بدل جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو، سود کے تحت بارٹری ان شکلوں کو اسلامی معاشیات نے پہلی دفعہ داخل کیا ہے ورنہ عموماً سود صرف زر یعنی روپیہ، اشرفی سکے کے کاروبار تک محدود تھا بعد میں فقہاء اسلام نے جب اس حدیث پر غور کیا تو جو خصوصیات ان چھ چیزوں کی تھیں وہ اور دیگر اشیاء

میں بھی نظر آئیں لہذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیان کو توضیحی بیان قرار دیتے ہوئے ان دیگر اشیاء کو بھی شامل دیا جن میں ان کے خیال کے مطابق یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں۔ امام شافعیؒ اور قریب قریب امام مالکؒ نے سونا اور چاندی کو دیکھ کر یہ خیال کیا کہ اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو مبادلہ میں قیمت کا کام دیتی ہے۔ اب خواہ سونا چاندی ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو۔ اسی طرح گیلہوں، جو، اور کھجور سے یہ مراد لی کہ ہر وہ شے جو بطور غذا کے کام آتی ہے۔ وقس علی هذا۔ لیکن ربائی اموال کی یہ خصوصیت کہ اس کا ہر فرد دوسرے کا قائم مقام ہوتا ہے اور ان کی یہی خصوصیت ان نتیجوں کی ذمہ دار ہے جو سودی کاروبار میں پیش آتی ہے۔ اس نکتہ پر امام اعظمؒ کی نظر گئی تو انہوں نے خیال کیا کہ ہر وہ چیز جو خرید و فروخت میں تل کر یا ناپ کر پیمانہ سے فروخت ہوتی ہے اس میں یہی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس لیے امام صاحبؒ نے بجائے ان چھ چیزوں کے ہر چیز کا تبادلہ میں جو لین دین میں تل کر یا ناپ کر پیمانہ سے فروخت ہوتی ہو زیادتی (ربا) کو ناجائز قرار دیا

قدیم معاشروں میں سود کی ممانعت!

اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے قدیم معاشروں میں بھی سود کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ارسطو نے زر کو ٹرک مرغی قرار دیا جو انڈے نہیں دیتی۔ ارسطو کے مطابق زر کو استعمال کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ مبادلہ دولت میں آسانی پیدا کی جائے اور انسانی اختیاجات کو پورے طور پر پورا کیا جائے۔ غرض ارسطو کا نظریہ یہ تھا کہ روپیہ روپیہ کو نہیں جتنا۔ افلاطون بھی سود کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا

تھا۔ روما کے متفنن، ہندو اور یہودی مصلح بھی سود کو برا سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ جاہلیت میں بھی بعض عرب سود کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور سود کی رقم کو ناپاک خیال کرتے تھے۔ یورپی ممالک خصوصاً انگلستان میں سودی کاروبار کی ممانعت: گوانجیل میں سود کے متعلق احکامات نہیں ملتے مگر عیسائی عالموں اور پادریوں نے توریت اور زبور کی پیروی میں سود کو حرام قرار دیا تھا۔ چنانچہ یورپ میں سود مدتوں مذہباً حرام رہا۔ عیسائی عقیدہ نے سودی قرض کو ممنوع قرار دیا تھا۔ دینیات کے ایک مشہور عالم اکوناس (۱۲۲۷ تا ۱۲۷۷ء) نے کلیسا کا رجحان بھی بتایا کہ سود ناجائز ہے، یہودیوں کو ان کے مذہب نے اجازت دی تھی کہ اجنبیوں سے سود لیں چونکہ انہیں ترقی کے دوسرے وسیلوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اس لیے قرون وسطیٰ میں وہ ساہوکار بن گئے۔ رسم و رواج اور لوگوں کے خیالات کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۶۳ء میں اڈورڈ سوم نے لندن میں سود کے خلاف قانون نافذ کرنے کی اجازت دیا اور ۱۳۹۰ء میں میربلد نے سود کے خلاف ایک سخت حکم امتناعی جاری کیا تھا۔ صلیبی جنگ کے جوش و خروش کے زمانے میں یہودیوں پر ظلم و ستم کرنا بھی معمول سا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی وہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہے۔ انگلستان میں یہ لوگ بادشاہ کے خاص طور پر دست نگر سمجھے جاتے تھے۔ اور وہ ان سے جتنا چاہتا روپیہ وصول کر لیا کرتا تھا۔ ان کی دولت زیادہ تر سود کی ہوتی تھی اور چونکہ سود در سود کی شرعاً ممانعت تھی نیز امن کے قیام کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لیے یہ لوگ بہت بھاری شرح سود پر قرض دیتے تھے۔ اور اس زمانے کی دیہاتی

دلوں کا بخار نکالا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۹۰ء میں قوم کی برافروختگی سے مجبور ہو کر ایڈورڈ اول نے یہودیوں کو انگلستان سے خارج ہی کر دیا تھا۔ ان لوگوں کو اولیور کرام کے زمانے تک واپس آنا نصیب نہ ہوا۔

سوویت روس میں سودی کاروبار کی ممانعت! خیر یہ تو قدیم انگلستان کا تذکرہ تھا جید سوویت روس میں بھی سودی کاروبار کی قطعی ممانعت ہے۔ سوویت حکومت کے تمسکات بھی بلا سود ہی ہوتے ہیں۔ جدید اشتراکی فلسفہ کا بانی کارل مارکس سودی برائیاں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”سود خور ایک بڑا بھاری دیو شیطان ہے۔ اور وہ ایک بھیڑ یا صفت انسان ہے جو ہر شے کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ جب ہم چوروں، ڈاکوؤں، اور نقب زنوں کی گردن مارتے ہیں تو پھر ویسے ہی تمام سود خور بھی قابل گردن زنی ہیں۔ اشتراکی کہتے ہیں کہ محنت کرنے والے طبقوں پر سود ایک ناروا بوجھ ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ سودی کاروبار سے مالدار تو مالدار ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن نادار اور نادار ہوتے جاتے ہیں۔

اسلامی مملکت میں سودی کاروبار کی ممانعت :

چونکہ سودی کاروبار کا اثر معاشرے پر ہمہ گیر ہوتا ہے اس لیے اسلامی مملکت میں سودی کاروبار نہ صرف مسلمانوں کے لیے ممنوع قرار دیا گیا تھا بلکہ ذمیوں کے لیے ممنوع ٹھہرا۔ جس معاہدہ میں ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی تھی اس میں خاص طور پر اس کا تذکرہ بھی کر دیا تھا کہ وہ سودی کاروبار نہ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے نجران والوں کو جو منشور عطا کیا تھا اس میں ”یہ شرط لگادی کہ

ایڈورڈ نے یہودیوں کے لیے غیر منقولہ جائیداد پیدا کرنے کی ممانعت کردی پرانے قانون کے مطابق ایک مخصوص لباس پہننے پر مجبور کیا اور آخر میں سود خوری کو کلیۃً ممنوع قرار دیا۔

یہودیوں کا انگلستان سے اخراج!

یورپ کے اور ملکوں کی طرح سود خوری کی بناء پر یہودیوں کا انگلستان سے اخراج عمل میں آیا تھا۔ ایک انگریز مورخ چیمبرز لکھتی ہے کہ ”ازمنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
”یہ وہ تحریر ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ نے اہل نجران کے لیے لکھی۔۔۔ اگر تم سے کوئی اپنا حق مانگے گا تو دونوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا نہ تم پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ تمہیں ظلم کرنے دیا جائے گا۔ تم میں سے جو آئندہ سود کھائے وہ میری ضمانت سے خارج ہے“

وسطی میں عیسائی اقوام کو مسئلہ سود سے خاص نفرت تھی اور اپنے ہمسایہ عیسائیوں پر سنگین شرح سود کا بار ڈال کر یہودی ان کی تباہی کا باعث ہوئے تھے اور جس طرح کہ عیسائی مفلس ہوتے جاتے تھے یہودیوں کی ثروت اور تمول میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ بالآخر عیسائیوں کی نفرت مبدل بہ عناد ہو گئی۔ بادشاہ کے یہودیوں کی حمایت اور سرپرستی کرنے کے باوجود جب کبھی موقع ملتا عیسائی اپنے

معاشرت میں زراعت پیشہ یا سوداگر اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وقت پر روپیہ مل جانا بھی ایک خاص قدر و قیمت رکھتا ہے۔ پس ان قرض دینے والوں سے سب کو نفرت تھی۔ بہت سے شہروں میں سب سے الگ چار دیواری کے اندران کے محلے مقرر کئے جاتے اور رات کو ان کے پھانک میں قفل لگا دیا جاتا تھا اور انہیں ایک خاص قسم کا لباس پہننے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ قرض دار تاک میں رہتے تھے کہ ذرا موقع ملے اور ان یہودیوں پر ہلہ بول دیا جائے۔ رچرڈ کی تخت نشینی کے دن خود ویسٹ منسٹر میں اسی قسم کا بلوہ ہوا اسی خزاں اور سرما کے موسم میں یارک، اسٹم فرڈ، تاروچ، سینٹ، ایڈمنڈ اور دوسرے شہروں میں یہودیوں کے خلاف حملے ہوئے جن میں کشت و خون کی نوبت آئی۔ یارک میں ان بدنصیبوں کو پہلے تو بالا حصار میں جانے دیا اور پھر باقاعدہ ناکہ بندی کر دی گئی۔ زندگی سے تنگ آ کر انہوں نے عورتوں اور بچوں کو مار ڈالا اور قلعہ میں آگ لگا کر آگ میں کودے اور جل کر بھسم ہو گئے۔ پھر مورخ ریشم لکھتا ہے کہ ”مزید برآں سودی لین دین کا ایک زرعی ملک میں جو اثر لازمی ہے وہ ظاہر ہونے لگا تھا۔ جا بجا جاگیریں بھاری بھاری قرضوں میں مکفول ہو رہی تھیں۔ لیکن چالیس فیصد سود ادا کرنے کے بعد زمیندار کو اتنی بچت ہوتی کہ سرکاری محاصل اور اپنے گھر والوں کا پیٹ بھر سکے۔ پس قرض خواہ یہودی ملک بھر میں نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے کہ ان ہی کی بدولت زمینوں کے بکنے اور زمینداروں کے بزور عدالت بے دخل کیے جانے کی نوبت آتی رہتی تھی۔ رائے عامہ کی شہ سے

وہ نہ سود کھائیں گے اور نہ سودی کاروبار کریں گے، یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے اس فرمان کی نقل حاصل کی جو رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو عطا فرمایا تھا اور اس نے یہ نقل حسن بن صالح سے حاصل کی تھی جو یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ وہ تحریر ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ نے اہل نجران کے لیے لکھی۔۔۔ اگر تم سے کوئی اپنا حق مانگے گا تو دونوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا نہ تم پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ تمہیں ظلم کرنے دیا جائے گا۔ تم میں سے جو آئندہ سود کھائے وہ میری ضمانت سے خارج ہے“ کہتے ہیں کہ جب ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی یہ معاہدہ برقرار رکھا اور اسی تحریر کی مانند انہیں ایک تحریر عنایت کی لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو یہ لوگ سود کھانے لگے اور ان کی تعداد بھی بڑھ گئی اس سے انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے وجود سے اسلام کو نقصان نہ پہنچ جائے اس لیے انہوں نے ان کا جلا وطن کر دیا اور ان کے لیے پروانہ لکھا۔ غرض اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے دوسرے مذاہب کی رعایا کے لیے بھی سودی کاروبار قانوناً ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ اسلامی مملکت کا عام دستور تو جب یہ ہے کہ ان کے مذہب میں کسی قسم کا دخل نہیں دیا جائے گا اور ان کا جو مذہب ہے اس پر چلنے کی اجازت دی جائے گی۔ اس بنیاد پر شراب، سور اور اسی قسم کی وہ تمام چیزیں جو اسلامی نقطہ نگاہ سے ممنوع تھیں غیر مسلم رعایا کی طرف سے درآمد ہوتی تھیں تو اسلامی حکومت ان سے عام سامان کے طور پر محصول درآمد

وصول کرتی تھی۔ یہاں تک فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمان اگر کسی ذمی کی شراب پھینک دے تو اسلامی مملکت کو تاوان دلانا ہوگا۔ تو ایسی صورت میں سود جسے اسلام نے حرام کیا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ اس سلسلے میں غیر مسلموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہوگا کہ باہم غیر مسلموں کی سودی کاروبار کی اجازت ہونی چاہیے تھی۔ اس استثناء کی دو وجہیں ہیں ایک تو سود خوری کو چوری، ڈاکے، قتل وغیرہ کی طرح کا فوجداری جرم قرار دیا جانا مصلحت سمجھا گیا۔ دوسرے چونکہ غیر مسلموں پر ان کا شخصی قانون نافذ کیا جاتا تھا۔ اور سود ہر مذہب میں حرام ہی ہے اس لیے سود سے ذمیوں کو روکنا دینی مداخلت نہیں۔

اسلامی حکومت کی جانب سے قرضوں کا انتظام:

یورپ میں مدتوں سود مذہباً حرام اور قانوناً ممنوع رہا لیکن ”حاجت مندوں کو قرض لیے بغیر چارہ نہ تھا۔ آخر یہودیوں کو سود کی ممانعت سے قانوناً مستثنیٰ کر دیا گیا تاکہ قرض بھی مل سکے اور عیسائی سود خوری کے گناہ سے بچے رہیں لیکن اپنے مقابل یہودیوں کو سود لیتے دیکھ کر بھلا عیسائی کیوں روکنے والے تھے انہوں نے قرض داروں سے تحفہ تحائف کی شکل میں سود لینا شروع کر دیا کلیسا کی قوت میں زوال آیا تو سولہویں صدی عیسوی کے آخر تک سود نے اچھی طرح قدم جما لیے۔ اس کا اندازہ بیکن کے حسب ذیل خیالات سے بھی ہو سکتا ہے۔ ”چونکہ انسان کو قرض بدلنے اور دینے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور چونکہ وہ سخت دل ہوتے ہیں اس لیے وہ قرض نہ دیں گے۔ بصورت دیگر کسی کو قرض نہ ملے گا۔ لہذا سود کی اجازت دی جانی چاہیے۔“ باوجود

ممانعت کے یورپ میں سودی کاروبار کے وجود میں آنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ قرض دینے کا کسی ادارہ یا مملکت کی جانب سے انتظام نہ تھا۔ اسلامی حکومت نے ایک طرف سود خوری کا انسداد کیا تو دوسری جانب خود سرکاری خزانے یا بیت المال سے قرض حسنہ کا انتظام کیا اور سرکاری موازنہ میں ایک مقررہ حسنہ کی بھی رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کے متعدد نظائر ملتے ہیں کہ لوگوں کو سرکاری خزانے سے پیدا آور اور غیر پیدا آور اغراض کے لیے قرض ملا کرتا تھا یہاں تک کہ عورتیں بھی بیت المال سے پیدا آور اغراض کے لیے قرض لیا کرتی تھیں۔ غرض خود اسلامی حکومت نے اپنی جانب سے قرض حسنہ دینے اور وصول کرنے کا انتظام کیا تھا اور کاروبار کے لیے جو انتظامی اخراجات لاحق ہوتے وہ حکومت برداشت کرتی تھی جیسا کہ بہت سے امور جیسے تعلیم، دو خانوں وغیرہ کے انتظام پر حکومت روپیہ صرف کرتی تھی۔ ایک مشہور مغربی مصنف مسٹر جافری مارک نے اپنی کتاب ”موجودہ بت پرستی“ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے بعض خیالات اسلامی اصولوں سے ملتے جلتے ہیں۔ مسٹر مارک نے جو اسکیم پیش کی ہے اس کا مختصر سا خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کی خانگی بنک کاری کو ممنوع قرار دیا جائے اور سود کو قطعی ناجائز سمجھا جائے۔ اور اسکے بجائے تمام امانتوں پر ایک قسم کا محصول لگایا جائے۔ اسے شاید معلوم نہیں کہ آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے سود کی قطعی ممانعت کر دی تھی اور فاضل رقومات پر زکوٰۃ کی شکل میں ڈھائی فیصد محصول لگایا تھا۔

(ماخوذ از: ”اسلام کے معاشی نظریے“)

جن کی راست گوئی، حریت پسندی اور حق پرستی کی عروۃ الوثقیٰ کو نہ تو تلوار کاٹ سکتی ہے، نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ تو محبت و خوف کا دیو توڑ سکتا ہے۔

حریت اور حیاتِ اسلامی

مولانا ابوالکلام آزادؒ

تسامح اور عفو و کرم کے ظاہر فریب اور سراب صفت مناظر کا تماشا دیکھا ہے۔ لیکن کیا ان میں ان اصول اخلاق کا بھی پتہ لگتا ہے جو قوموں میں خود داری، سر بلندی۔ اور حق گوئی کا جوہر پیدا کرتے ہیں؟ جن کی نظر میں بمقابلہ حق، آقا و غلام، بادشاہ و گدا، عالم اور جاہل، قریب و بعید اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنا نفس اور غیر، سب برابر نظر آتا ہے؟ جن کی راست گوئی، حریت پسندی اور حق پرستی کی عروۃ الوثقیٰ کو نہ تو تلوار کاٹ سکتی ہے، نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ تو محبت و خوف کا دیو توڑ سکتا ہے۔ فَدَّ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لِأَنْفُسِهِمْ لَهَا (۲۵۶) کیونکہ اس نے وہ مضبوط قبضہ پکڑا ہے جس کے لئے کبھی ٹوٹتا ہے ہی نہیں۔ اسلام ایک طرف مسلمانوں کی تعریف یہ بتاتا ہے کہ:- اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (بخاری) مسلمان وہ

عزت کا پاس، تعلقات کے قیود اور سب سے آخر قوت کا جلال و جبروت، افراد کے افکار اور آرا کو مقید کر دے۔ ان کا آئینہ ظاہر، باطن کا عکس نہ ہو، ان کا قول ان کے اعتقاد قلب کا عنوان نہ ہو، ان کی زبان ان کے دل کی سفیر نہ ہو۔ یہ وہی چیز ہے جس کو اسلام کی اصطلاح میں ”نفاق“ اور ”کتمان حق“ کہتے ہیں اور جس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض شے خدائے اسلام کی نظر میں کوئی نہیں۔ اسلام کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کبریٰ یہ ہے کہ اس کی ہر تعلیم موضوع بحث کے تمام کناروں کو محیط ہوتی ہے۔ ہم نے تورات کے اسفار دیکھے ہیں، زبور کی دعائیں پڑھی ہیں، سلیمان علیہ السلام کے امثال نظر سے گزرے ہیں، یسوع کی تعلیمات اخلاقیہ کے وعظ سنے ہیں۔ ہم نے ان میں ہر جگہ خاکساری، انکساری، تحل، ظلم، درگزر

قرآن حکیم کی تصریحات! يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوِِّيْمٍ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ بَيْنَ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوْ الْوَالِدِيْنَ وَالْاَقْرَبِيْنَ (النسا: ۱۳۵) ”مسلمانو! تم انصاف پر قائم اور (زمین میں) خدا کے گواہ رہو، گو یہ گواہی خود تمہارے اپنے نفس یا والدین یا عزیز و اقارب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو“۔ اگر یہ سچ ہے کہ قومی زندگی کی جان اخلاق ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ اخلاق کی جان حریت رائے، استقلال فکر اور آزادی قول ہے۔ لیکن اخلاق ملی کی یہ روح مہالک و خطرات کی موت میں گھری ہوئی ہے۔ حفت الجنة بالمکارہ! اس آبِ حیات کے حصول کے لیے زہر کا پیالہ بھی پینا پڑتا ہے: الموت جسرا لى الحياة! قوم کے نظام اخلاق و نظام عمل کے لیے اس سے زیادہ کوئی خطرناک امر نہیں کہ موت کا خوف، شدائد کا ڈر

لئے ہم تن آدمہ رہے تاکہ حق و باطل کے جوہر و تم سے اور نور ظلمت کے حملے سے محفوظ رہے اور بدگمانیاں کرنے سے اجتناب کیا کرو! دوسروں کے حالات کی جاسوسی نہ کیا کرو، ایک دوسرے کے

جب تم کسی دوسرے کی اخلاقی صورت کی ہجو کر رہے ہو تو ذرا اپنے دل کے

آئینہ میں بھی دیکھ لو کہ خود تمہاری صورت تو ویسی نظر نہیں آتی؟

پیچھے میں بدگوئی نہ کرو! کیا تم پسند کرتے ہو کہ کسی بھائی کی لاش پڑی ہو اور تم اس کا گوشت نونج نونج کھاؤ؟ کیا تم کو گھن نہ آئے گی؟ خدا کا خوف کرو کہ خدا تو بہت بول کرنے والا اور رحمت والا ہے۔ لیکن اس سے مراد وہ شخص حالات ہیں جو امور دین اور مصالح ملت میں مؤثر نہ ہوں ورنہ فریضہ امر، معروف اور نہی منکر کے لئے کیا چیز باقی رہ جائے گی؟ اور معاشرت کی اصلاح، معائب کے ازالہ اور منکرات کے ابطال کے لئے کون سا ہتھیار ہمارے پاس ہوگا؟ اگر ہمارے عظمائے محدثین حدیث میں رواۃ کے معائب و اخلاق کی تنقید نہ کرتے اور حق کے مقابلے میں بڑے بڑے ارباب عمامہ اور جبارہ حکومت کے زور و قوت سے مرعوب ہو جاتے تو کیا آج ہمارے پاس اقوال حقہ کے بجائے صرف روایات کا ذبہ کا ایک ڈھیر نہ ہوتا؟ اس سلسلہ میں ہم کو یہ بھی بالا اعلان کہنا چاہیے کہ سب سے پہلی ہستی جس سے سب سے پہلے محاسبہ کرنا چاہیے، جس کے افعال کی سب سے پہلے تنقید کرنی چاہیے، جس کے معائب کی سب سے پہلے مذمت کرنی چاہیے وہ خود اپنی ہستی ہے، بہادر وہ نہیں ہے جو میدان قتال میں دشمن سے انتقام لے۔ جب تم کسی دوسرے کی اخلاقی صورت کی ہجو کر رہے ہو تو ذرا اپنے دل کے آئینہ میں بھی دیکھ لو کہ خود تمہاری صورت تو ویسی نظر نہیں آتی؟ جب حق کے اظہار کے لیے تمہاری

سوسائٹی کا شیرازہ نظام منتشر نہ ہو جائے۔ شریعت اسلامیہ نے اسی خاص فرض کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا ہے اور ملت اسلامیہ کا خاص وصف یہ بیان کیا ہے کہ نہ: ”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ (آل عمران ۱۱۰) تم بہترین قوم ہو جو دنیا میں لوگوں کے لئے نمونہ بنائی گئی اچھی باتوں کی ہدایت کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو۔ ”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ (آل عمران ۱۰۴) تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دے، اچھی باتوں کی ہدایت کرے، بری باتوں سے روکے اور یہی گروہ کامیاب ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ!

غلط ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ صداقت اور حق گوئی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت الی الخیر اور منع عن الشر کے سلسلے میں اگر دوسروں کے حرکات و افعال کا نقد کیا جائے تو وہ اس تجسس احوال غیر کا ملزم ہوگا جس کو قرآن نے منع کیا ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ط اَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْنَاهُ ط وَأَتَقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ“ (الحجرات ۱۷) (مسلمانو! بہت

ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی حقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر خدا و شیطان، حق و باطل، معروف و منکر اور خیر و شر کا مقابلہ ہو تو وہ رضائے خدا، نصرت حق، امر معروف اور دعوت خیر کے لئے۔ لَا يَخَافُ نَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (مائدہ) آسمان کے نیچے کی کسی ہستی کی پرواہ نہیں کرتے۔ غربت سرائے دہر میں حق کا ٹھکانہ صرف ایک مسلمان کا ہی سینہ ہونا چاہئے لیکن کیا بدبختی ہے کہ آج ہمارے سینے باطل کا نشیمن، ہمارے دل نفاق کا مامن اور ہمارا باطن اخفائے حق کا طبا بن گیا ہے، حالانکہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ نہ: ”كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ“ نساء ۱۳۵۔

دنیا میں خدا کے گواہ رہیں۔ ”لَمْ يَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ“ (صف ۶۱)۔ ان کا قول و عمل ہمیشہ برابر ہو۔ ”وَتَخَشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ“ (احزاب ۳۷) ان کا دل اور زبان ہمیشہ ایک ہو، جن کو خدا کے سوا کوئی ہستی مرعوب نہیں کر سکتی۔

تسلی اور قول حق!

عفو و درگزر، عیب کو ڈھانکنا، خطاؤں سے چشم پوشی کرنا بلاشبہ ایک بہترین وصف ہے۔ لیکن اگر کسی شہر کی پولیس ان مسامحانہ اخلاق پر عمل شروع کر دے یا بڑے بڑے مجرموں کی طاقت سے مرعوب ہو کر اپنے فرائض میں کوتاہی کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑے ہی دنوں میں نظام و امن درہم و برہم ہو جائیگا اور معمورہ شہر مٹی کا ڈھیر بن جائے گا۔ ہر آزاد رائے اور حر الفکر انسان خدا کی آبادی کا کوتوال ہے، اس کا فرض ہے کہ ہر غلط کار کو روک دے، ہر خطا کار کو ٹوک دے اور حمایت حق و نصرت خیر کے

سے بندھی ہوئی تلوار جنبش میں آجاتی ہے! اور پھر کیوں ایسا نہ ہو جبکہ ایک موحّد کا اعتقاد یہ ہے کہ: ”لَا نَافِعَ وَلَا ضَارَّ إِلَّا اللَّهُ“ خدا کے سوا نفع و ضرر کسی کے ہاتھ میں نہیں۔

ہر مسلم خدا کا گواہ صادق ہے! ہر مسلم خدا کی طرف سے دنیا میں ایک گواہ صادق اور شاہد حال ہے کہ ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ (البقرہ، ۱۴۳) خدا نے تم کو ایک شریف قوم بنایا ہے تاکہ لوگوں پر گواہ رہو۔ کیا اس سے زیادہ کوئی بد بخت ہو سکتا ہے جس کو خدا نے محکمہ عالم میں اپنی طرف سے گواہ بنا کر بھیجا ہو اور وہ اس حق کی گواہی سے خاموش رہے یا اس کی اخفاء کی کوشش کرے؟ ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ“ (البقرہ، ۲۴۰) اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کے پاس خدا کی کوئی گواہی ہو اور وہ اس کو چھپائے؟

کیونکہ مسلم کے خدا کا یہ حکم ہے کہ ”وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ“ (البقرہ، ۲۸۳) شہادت ربانی کا اخفاء نہ کرو۔ اداۓ شہادت ربانی اور حریت رائے ایک شے ہے پس جو شخص شہادت ربانی کا اخفاء نہیں کرتا اور خدا کی طرف سے جو علم اس کے قلب میں القاء کیا گیا ہے وہ علی الاعلان اور بلا خوف لومۃ لائم اس کا اظہار کرتا ہے، وہی ہے جس کو دنیا صادق اللہجہ، مستقل الفکر، حراضمیر اور آزاد گو کہتی ہے۔ پھر کیا جو شخص حراضمیر اور آزاد گو نہیں، وہ، وہ نہیں، جو شہادت کو چھپاتا ہے اور حق کی گواہی سے اعراض کرتا ہے؟ حالانکہ وہ وجود اقدس جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، بتصریح فرماتا ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ

اغراض ذاتی اور ہوائے نفسانی کے سحر سے مسحور نہ ہو۔ رضائے خدا اور طلب حق کے سوا اس کا کوئی مطلوب نہ ہو۔ کہ مذہب حق پرستی میں یہی شرک ہے۔ ”وَإِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ“

ہر مسلمان کو فطرتاً آزاد گو اور حق پرست ہونا چاہیے! ہر مسلم موحّد ہے اور ہر موحّد آستانہ احدیت کے سوا تمام آستانوں سے بے نیاز اور واحد القہار کے سوا ہر ہستی سے بے خوف ہے۔ اس لئے فطرتاً وہ اپنے کسی

جو شخص شہادت ربانی کا اخفاء نہیں کرتا اور خدا کی طرف سے جو علم اس کے قلب میں القاء کیا گیا ہے وہ علی الاعلان اور بلا خوف لومۃ لائم اس کا اظہار کرتا ہے، وہی ہے جس کو دنیا صادق اللہجہ، مستقل الفکر، حراضمیر اور آزاد گو کہتی ہے۔ پھر کیا جو شخص حراضمیر اور آزاد گو نہیں، وہ، وہ نہیں، جو شہادت کو چھپاتا ہے اور حق کی گواہی سے اعراض کرتا ہے؟

قول و فعل میں آزادی و حق گوئی سے نہیں ڈرتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھو کہ یہ خاک نشین قیصر و کسریٰ کے دربار میں بے دھڑک جاتے ہیں اور قائم و حریری کی مسندوں کو الٹ کر زمین پر بیٹھ جاتے ہیں وہ فرش دربار جو روم و ایران کا سجدہ گاہ تھا، برچھی کی انی اور گھوڑوں کے سموں سے ان کے جبروت و استبداد کے پرزے اڑا دیئے گئے۔ جن درباروں میں زبان کی حرکت بھی سوء ادب تھی وہاں حمایت حق کے لئے ٹوٹے ہوئے قبضے اور چیتھروں

زبان دلائل کا انبار لگا رہی ہو تو جھانک کر دیکھ لو کہ کہیں تمہارے خرمن دل میں تو یہ جنس موجود نہیں ہے؟ کیونکہ: ”لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ“ (الصف ۱) کیوں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں؟ ”أَنَّا مُزَوَّنَ النَّاسِ بِأَبْرٍ وَنَسْنُونَ أَنْفُسَكُمْ“ (بقرہ ۴۴) تم دوسروں کو تو نیکی کی بات بتاتے ہو لیکن خود اپنے کو بھول جاتے ہو؟

”كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ“ (صف ۲) خدا کو یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ جو تمہارا قول ہو وہ فعل نہ ہو۔ ”يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ“ (آل عمران ۱۶۷) منہ سے وہ بات کہتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ اس لئے مسلمان کا ظاہر و باطن ایک ہو، وہ زبان سے جس کا اقرار کرتا ہو دل سے اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو، ورنہ وہ منافق ہے۔

حریت رائے اور قول حق کی تعریف! حریت رائے اور قول حق کیا شے ہے؟ اس کا جواب آیات سابقہ نے بتایا ہے یعنی جو بات حقیقتاً صحیح ہو۔ دل سے اس کا اعتقاد، زبان سے اس کا اقرار اور ہاتھ سے اس پر عمل۔ اگر غلطی سے حق کی ماہیت اس سے مخفی ہو تو جب اس کا علم ہو اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لے۔ غیر اگر اس حق کا معارض اور اس صداقت کا دشمن ہو تو اس کی عظمت و جبروت سے اس کے ہاتھ میں رعشہ، اس کے پاؤں میں لغزش، اس کی زبان میں لکنت اور اس کے قلب میں خوف نہ ہو۔ سوسائٹی کی شرم اور اقارب و احباب کی محبت اس کی زبان حق کو اور اس کے دست صداقت شعار کو پیکار نہ کر دے۔ دولت و مال کی حرص اور عزت و جاہ کی طلب اس کے جادۂ حریت پرستی اور راہ صداقت پسندی میں سنگ گراں بن کر حائل نہ ہو۔

محروم کر دیتی ہے، حالانکہ مسلم کا دل حق پرست اپنے نفس سے بھی انتقام لیتا ہے اور حق کے لئے دشمن کا بھی ساتھ دیتا ہے۔

موانع حق گوئی!

ہم نے بتایا کہ وہ کیا چیزیں ہیں جو ہماری زبان کو حق گوئی سے ہمارے پاؤں کو حق طلبی سے باز رکھتی ہے؟ ناجائز حسن اعتقاد، محبت باطل، خوف، طمع اور عداوت۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات میں نہایت شدت کے ساتھ ان موانع حریت اور عوائق حق کو بیان کیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ کیونکر ہم ان سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ناجائز حسن اعتقاد!

حسن اعتقاد کوئی بری شے نہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کے سوا (جو سفیرِ اُمیرِ ربانی ہیں) کسی انسان کو اتنا رتبہ دینا کہ اس کا ہر قول و فعل آمین تسلیم اور معیارِ صحت ہو، درحقیقت شرک فی اللہ ہے۔۔۔ اعیانِ کرام کی عزت انسان کا ایک جوہر ہے، لیکن یہ حق کسی کو نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے قلوب پر اس حیثیت سے حکمرانی کریں کہ وہ انسان کی ایک ایسی نوع ہیں جن کے احکام دائرہ انتقاد سے خارج اور ضعف بشری سے مبرا ہیں اور اگر یہ سچ ہے تو پھر اس احکم الحاکمین کے لئے کیا رہ گیا جس کا اعلان ہے کہ: ”إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ“ (یوسف، ۴۰) کیا خدا نے ان نصاریٰ کو جو پوپ اور قسبیسین کے احکامات کو بلا حجت تسلیم کرتے تھے اور ان کے اقوال و اعمال کو بری عن الخطا اور خارج از نقد سمجھتے تھے، یہ نہیں کہا؟ ”اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُجْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ“ (توبہ ۳۱) نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو خدا بنا لیا ہے۔ اور کیا قرآن نے ان کو

انہیں کو اب دنیا کا پیش رو اور زمین کا وارث بنائیں گے۔ (القصص، ۵) وہ حکومت کی تلوار سے

اس لئے سرگروہ احرار اور سرخیل قائلین حق وہ ہیں جو اس راہ میں اثرِ محبت سے

مسحور نہیں، جو ان علاقہ ظاہری سے آزاد ہے جو اپنے نفس سے بھی حق کے لیے

اسی طرح انتقام لیتا ہے جس طرح اپنے دشمن سے

اللہ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا“ (نساء ۱۳۵) مسلمانوں انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو اور خدا کی طرف سے حق کے شاہد رہو، گو یہ شہادت خود تمہاری ذات کے یا تمہارے اعزہ و اقارب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ دولت مند ہوں یا فقیر، ادائے شہادت میں ان کی پرواہ نہ کرو کہ خدا دونوں کو بس کرتا ہے اور نہ متبع ہو کر حق سے انحراف کرو اگر تم بالکل حق سے انحراف کرو گے یا دبی زبان سے شہادت دو گے تو جان لو کہ خدا سے کوئی امر مخفی نہیں وہ تمہارے ہر عمل سے واقف ہے۔ اللہ اکبر! آج مسلمان خدا کے اتنے بڑے فرض کو بھولے ہوئے ہیں! وہ مسلمان جنکو صرف ایک سے ڈرنا تھا اب ہر ایک سے ڈرنے لگے ہیں۔ وہ اظہار حق میں دولت مند سے ڈرتے ہیں کہ شاید اس کی جیب کرم باری کی چند چھینٹیں ہمارے دامنِ مقصود میں کبھی پڑ جائیں! اے دولت کے دیوتاؤں سے ڈرنے والو! کیا تم تک رزاقِ عالم کا یہ فرمان نہیں پہنچا کہ: ”نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاكُمْ“ (الانعام) ہم ہیں جو ان کو اور تم کو دونوں کو رزق پہنچاتے ہیں۔ وہ حمایت حق کے لئے کمزوروں کا ساتھ نہیں دیتے لیکن اے کمزوروں کی مدد نہ کرنے والو! جانتے ہو کہ کمزوروں کا سب سے بڑا مددگار کیا کہتا ہے؟ ترجمہ: ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں جو دنیا میں کمزور سمجھے گئے اور

دعوتِ توحید اس طرح نہیں دی؟ ”قُلْ نَاهُلُ الْكُفْرَ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (آل عمران، ۶۴) اے آسمانی کتاب والو! آؤ ایک امر جو ہم میں تم میں اصولاً متفق علیہ ہے، اس پر عمل کریں کہ ہم صرف خدا ہی کو پوجیں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ خدا کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو خدا بنانا کیا ہے؟ یہ ہے کہ ہم اپنے قوائے فکر کو معطل کر دیں اور حق و باطل کا معیار صرف اشخاص معتقد فیہ کے غیر ربانی و غیر معصوم حکموں کو قرار دیدیں۔ ہماری پچھلی چند صدیوں کا زمانہ ایک بہترین مثال ہے، جب ہم پُر رعب ناموں سے مرعوب ہو جاتے تھے اور جب ہم حق و باطل کا معیار افراد کی شخصیت قرار دیتے تھے، تمام امور سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ ہمارے علوم و فنون کو اس سے کتنا نقصان پہنچا؟ ہر علم و فن میں ہمارا وجود، وجودِ معطل رہ گیا۔ زبانیں تھیں لیکن بولتے نہ تھے، دل تھے مگر سمجھتے نہ تھے۔ قید تحریر میں جو چیز آگئی وہ تنسیخ کے لائق نہ تھی ہر کتابی مخلوق جو کسی خالق ممکن کی طرف منسوب تھی، صداقت و معصومیت کا پیکر تھی۔ ہر سابق العہد وجود انسانی، بعد کے آنے والوں کی عقل و آرا پر حکومت کرتا تھا، الغرض ہر سابق ہستی کا حکم اس قدیم ہستی کے حکم کی طرح تسلیم کیا جاتا تھا، جس کی شان یہ ہے کہ ”لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ“ (سورہ الفصّل ۲۲) باطل نہ اس کے آگے آ سکتا ہے نہ اس کے پیچھے آ سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا ہر علم و فن دستِ شل ہو کر رہ گیا۔ پہلوں نے جو کچھ لکھا، بعد والے اس پر ایک حرف نہ بڑھا سکے۔ پھر کیا اگر

ایک فقیہ تا تاریخانیہ کو، ایک طبیب سدید و قانون کو، ایک نحوی کا فیہ مفصل کو، ایک متکلم مواقف و مقاصد کو، ایسی کتاب فرض کرتا ہے کہ باطل جس کے آگے ہے نہ پیچھے، نہ داہنے ہے نہ بائیں، تو کیا یہ شرک فی القرآن نہیں؟ اور ہم نے ان کے مصنفین کو ایسی ہستی تسلیم نہیں کر لیا، جن کو قرآن پاک نے کہا ہے: ”أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ“ ہماری گزشتہ چہل سالہ عمر جو ہماری قومیت کا دور طفولیت تھی بدترین زمانہ استبداد اور مثالِ حسن اعتقاد تھی، ہم ہر تیز زبان کو مصلح اکبر اور تیز رو کو رہبر سمجھتے تھے اور اس کے ہر حکم و فرمان کو اسی خشوع و خضوع کے ساتھ قرآن مجید میں بتایا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے اہبار اور پوپ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے پس اب وقت آ گیا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو یہ دعوت الہی دیں ”تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (آل عمران، ۶۴) آؤ ایک امر جو ہم میں تم میں اصولاً متفق علیہ ہے، اس پر عمل کریں کہ ہم صرف خدا ہی کو پوجیں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ خدا کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو خدا بنائیں۔

محبت باطل!

دنیا میں محبت باطل سے بڑھ کر پائے حق کوش کے لئے کوئی سخت زنجیر نہیں کہ ”حبك الشيء يعمي و يصم“ (حدیث صحیح) محبت باطل قبول حق سے آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا کر دیتی ہے۔ ہم اپنے نفس کو محبوب رکھتے ہیں اس لئے ہم اپنے نفس کے مقابلہ میں شہادت حق سے عاجز ہیں ہم عزیز و اقارب سے محبت باطل رکھتے ہیں اس لئے ہم ان کے خلاف حق کے لئے گواہی دینے پر آمادہ

نہیں ہوتے حالانکہ اس شاہد حقیقی کا فرمان ہے ”وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْبُدُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى“ (الانعام، ۱۵۲) جب بولو انصاف کی بات بولو اگر تمہارے کسی عزیز کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ“ (النساء، ۱۳۵) مسلمانو! اپنے نفس کے مقابلے میں، اپنے ماں باپ کے مقابلہ میں اور اپنے اعزہ و اقارب کے مقابلہ میں بھی انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو اور خدا کے گواہ بنے رہو۔ اس لئے سرگروہ احرار اور سرخیل قائلین حق وہ ہیں جو اس راہ میں اثر محبت سے مسحور نہیں، جو ان علاقہ ظاہری سے آزاد ہے جو اپنے نفس سے بھی حق کے لیے اسی طرح انتقام لیتا ہے جس طرح اپنے دشمن سے۔ جو اپنا سر حق کے سامنے اسی طرح جھکا دیتا ہے جس طرح وہ غیر کا سر جھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ کتنے انسان ہیں جو جاوید حق گوئی میں خطرات و شدائد سے نہیں ڈرتے؟ اور کتنے ہیں جو آزادی حق کے لیے اپنی جان فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن اس آیت پاک نے صدق پسندی اور حریت پرستی کی جو راہ قرار دے دی ہے۔ اس پر چلتے ہو اکثر پاؤں کانپ گئے ہیں اور اکثر دل بیٹھ گئے ہیں: فان ذالک هو البلا المبین: کیونکہ یہ سب سے بڑی آزمائش ہے اس آزمائش میں جو پورا اترے اور اس امتحان میں کامیاب ہو وہی میدان حریت کا شہسوار اور معرکہ حق صداقت کا فاتح ہے

رَجُلٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے جو عہد کیا تھا اس پر پورے اترے۔



بندہ مومن کا اخلاق

معاشرتی بگاڑ جو ان تمام قباحتوں کی جڑ ہے، اس کا اصل سبب ہماری دین سے بیزاری اور اخلاقی گراؤ کا شکار ہونا ہے!

”کسی مسلمان کی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے کی جانے والی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔“

چونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے وہ کبھی نہیں چاہیگا کہ انسان اس کے چنگل سے بچ کر کامیاب ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو راضی کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ابد الابد نعمتوں والی جنتوں میں چلا جائے، مزے کرے۔ ایسی جنت جن میں یہ سب کچھ ہے شَرَابًا طَهُورًا، عُرْبًا اَثَرًا، حُورًا مَقْصُورَاتٍ فِي الْغِيَامِ، لَمْ يَطْمِئِنَّ اَنْسُ قُلُوبُهُمْ وَلَا حَاجٌ۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ارے بھائی جس جنت کا وعدہ کیا جا رہا ہے اللہ اکبر۔ ذرا سوچو تو اس میں کیا ہے؟ ”اَنْهَرُ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ اَسْنِیْنِ“ (نہ خراب ہونے والی پانی کی نہریں)، ”اَنْهَرُ مِنْ لَبْنٍ لَمْ يَنْعَجِرْ طَعْمُهُ“ (بے بدل ذائقہ والی دودھ کی نہریں)، ”اَنْهَرُ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِیْنَ“ (سراپا لذت شراب کی نہریں)، ”وَاَنْهَرُ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّی“ (صاف شفاف شہد کی نہریں)، ”وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ“

(ہر طرح کے پھلوں سے بھرا ہوا)، ”وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ“ (ان کے رب کی مغفرت بھی)۔ ﴿لَذَّةٍ لِلشَّارِبِیْنَ﴾ بھی فرما دیا یعنی یہ بتا دیا کہ یہ شراب سراپا لذت ہوگی اس کو پینے سے نشہ نہ آئے گا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی۔ سورۃ الصافات میں فرمایا ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ۔۔۔ يَبْضَأُونَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِیْنَ۔ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ﴾ (ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا سفید ہوگی، پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگا، نہ اس میں درد ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔ دوستو: شیطان مجھے اور آپ کو ان تمام نعمتوں سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ آئیے ہم بھی یہ ٹھان لیں کہ ہم نے شیطان کو ناکام و نامراد کر دینا ہے شیطان کی کوشش ہے کہ اول تو ہم اسلام پر عمل ہی نہ کریں یا پھر وہ ہماری نظروں میں

اسلام کو فقط ایک خالی خولی روایات کا مجموعہ بنا کر رکھ دینا چاہتا ہے۔ جسکے نتیجے میں ہمارا معاشرہ اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہو جائے۔ اور جب کوئی بھی معاشرہ اخلاقی بگاڑ کا شکار ہو جائے، تو ہر طرف فساد ہی فساد برپا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان باہم دست و گریباں ہوتے ہیں، ہر طرف افراتفری مچی ہوتی ہے۔ پھر نہ تو کسی کی عزت محفوظ ہوتی ہے، نہ کسی کی جان و مال، پھر مسلمانوں کے اسی باہمی رویہ و اقدار کو دیکھ کر کفار بھی اسلام سے متنفر ہوتے ہیں۔ اور معاشرتی بگاڑ جو ان تمام قباحتوں کی جڑ ہے، اس کا اصل سبب ہماری دین سے بیزاری اور اخلاقی گراؤ کا شکار ہونا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی نیابت کا کام لینا ہے اور اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ

نہ کم و بیش سوا لاکھ انبیاء کرام علیہم السلام کو اس دنیا کے لوگوں کی طرف بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو ایک اللہ کی پہچان کروائیں۔ پھر جب ہماری باری آئی تو ہماری خوش نصیبی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا خصوصی فضل فرماتے ہوئے ہمیں اپنے حبیب اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی امت سے بنایا۔ چونکہ آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے نہیں آنا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ اس دین کو کامل اکمل کر دیا۔ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ، وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي، وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ آپ ﷺ نے بھی انسان کی پیدائش سے لیکر اس کے قبر میں اترنے تک کے تمام امور میں اس کی نگرانی فرمادی۔ پس آپ ﷺ نے جہاں ہمیں تعلق مع اللہ کی تعلیم دی، وہیں آپ ﷺ نے تعلق مع الخلق بھی سکھایا۔ جہاں آپ ﷺ نے ہمیں آدابِ بندگی بتائی وہیں آپ ﷺ نے ہمیں آدابِ زندگی بھی سکھایا۔ اخلاق کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاق کی اہمیت بھی بتائی ہے۔ اچھا اخلاق انسان کو منزلِ معراج تک پہنچا دیتا ہے اور برا اخلاق انسان کو اتنا پست کر دیتا ہے کہ وہ معاشرہ میں خجالت کے پیش نظر سرگوں ہو کر رہ جاتا ہے، اس کا ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ برے اخلاق سے پیش آیا ہے ان کے سامنے سر اٹھا کر زندگی گزارے، البتہ یہ بات صاحبِ درک و فہم سے متعلق ہے اور اس کا تعلق اس شخص سے ہے جس کے ضمیر میں زندگی کی ذرہ برابر بھی رنق باقی ہے، جس کا ضمیر ہی مردہ ہو چکا ہو وہ کیا محسوس کرے گا؟ اعلیٰ انسانی اخلاق کیا ہیں اور زندگی میں ان کی اہمیت کیا ہے، اس مسئلے پر

مختلف علمائے عمرانیات اور دوسرے اہل فکر نے بہت کچھ لکھا اور کہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ زندگی کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اخلاق کی حیثیت اور اہمیت کو مختصر ترین لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اخلاق دراصل زندگی کے طریقے، سلیقے اور قرینے کا نام ہے، اور اس طریقے کا تعین اور اس سلیقے اور قرینے کا حصول ہی دراصل اخلاقیات کا حقیقی موضوع ہے۔ ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے۔“ اور وہ تو کوئی بد بخت ہی ہو سکتا ہے جسے قیامت جیسے ہولناک سختیوں والے دن میں آپ ﷺ کی قربت میسر نہ ہو۔ اللہ رب العزت ہمیں آپ ﷺ کی قربت میسر فرمائے۔ آمین یا رب العالمین) ”دین اسلام میں اخلاق کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ جو دعا مانگتے تھے اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ: یا اللہ مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت فرما، بہترین اخلاق کی ہدایت نہیں کر سکتا مگر تو، مجھ سے برائیاں دور رکھ، ان برائیوں کو نہیں بٹاتا مگر تو۔“ کبھی آپ ﷺ یہ دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ كَمَا حَسَنْتَ خَلَقْتَ فَخَسِّنْ خُلُقِي ”اے اللہ جس طرح آپ نے مجھے خوبصورت پیدا فرمایا ہے اسی طرح مجھے خوبصورت اخلاق بھی عطا فرمائیے۔“ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”ادب المفرد“ میں حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی رحمتِ عالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

”میزانِ عمل میں کوئی چیز حسنِ اخلاق سے بھاری نہ ہوگی۔“ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں بہت سارے کمالات و امتیازات و صفات سے مالا مال فرمایا تھا، ان میں سے ایک بڑی صفت ”خلقِ عظیم“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اخلاق کی تعریف بھی فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقِي عَظِيمٌ۔“ (سورہ القلم: ۴) ترجمہ: ”اور بے شک آپ ﷺ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ بیابانہ پر ہیں۔“ جو شخص بھی آپ ﷺ کے قریب ہوا، وہ آپ ﷺ کے اخلاق کو دیکھ کر مفتوح ہو کر رہ گیا۔ خلق کے لغوی معنی ہیں: عادت اور خصلت۔ اور حسنِ خلق سے مراد خوش اخلاقی، آداب، مروت، اچھا برتاؤ، اچھا رویہ اور اچھے اخلاق ہیں۔ اخلاق کی دو قسمیں ہیں (1) عام اخلاق (2) اعلیٰ اخلاق۔ اخلاق کی معمولی قسم یہ ہے کہ آدمی کا اخلاق جو ابی اخلاق ہو کہ جو مجھ سے جیسا کرے گا، میں اس کے ساتھ ویسا کروں گا۔ یہ اس کا اصول ہو، جو شخص اس سے کٹے وہ بھی اس سے کٹ جائے، جو شخص اس پر ظلم کرے وہ بھی اس پر ظلم کرنے لگے، جو شخص اس کے ساتھ برائی کرے وہ بھی اس کے لئے برا بن جائے، یہ عام اخلاق ہے۔ اس کے مقابلے میں اعلیٰ اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے رویے کی پرواہ کئے بغیر اپنا رویہ متعین کرے۔ اس کا اخلاق اصولی ہو، نہ کہ جوابی۔ اعلیٰ اخلاقیات اس کا ایک عام اصول ہو، جس کو وہ ہر جگہ برتے، خواہ معاملہ موافق کے ساتھ ہو یا مخالف کے ساتھ، وہ جوڑنے والا ہو، حتیٰ کہ اس کے ساتھ بھی جو اس سے برا سلوک کرے، اور وہ نظر انداز کرنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس پر ظلم کرتا ہو۔“ اور

دوستو ہم میں سے بھی اکثر لوگ بد اخلاق نہیں ہوتے بلکہ ہم بھی عموماً اسی عام اخلاق کا شکار ہوتے ہیں کہ جو ہم سے اچھا کرے گا ہم بھی اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے اور جو ہم سے برا سلوک کرے گا ہم بھی اس کے ساتھ برا سلوک کریں گے اور یہی وہ اخلاق ہے جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اپنے آپ پر محنت کریں حتیٰ کہ ہم اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پالیں اور ساتھ ساتھ دعا کریں۔ آپ میرے لئے غائبانہ دعا کریں میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے کی جانے والی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ امتعہ نہ بنو کہ یہ کہنے لگو کہ لوگ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے اور لوگ برا کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ظلم کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس کا خوگر بناؤ کہ لوگ اچھا سلوک کریں تب بھی تم اچھا سلوک کرو اور لوگ برا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ ظلم نہ کرو۔“ (مشکوٰۃ المصابیح)۔ اور فرمایا جو تم سے کئے تم اس سے جڑو جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کرو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ دوسرے مرحلہ میں اخلاق کی پھر دو قسمیں ہیں (1) اپنے نفس کے ساتھ اخلاق (2) دوسروں کے ساتھ اخلاق۔ دوست، دشمن، مسلم، غیر مسلم کے ساتھ اخلاق۔ نوکروں اور غلاموں کے ساتھ اخلاق۔ اب یہ انسان کے اوپر منحصر ہے کہ کس کے ساتھ کس اخلاق سے پیش آتا ہے، یہ اس کی عقل کا امتحان ہے

کہ وہ اس کی کیسی رہنمائی کرتی ہے اس کو منزل کمال تک پہنچاتی ہے یا نجالت کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے۔ اگر انسان کا ذہن عاجز ہو جائے کہ کس کے ساتھ کس اخلاق سے پیش آیا جائے تو وہ پھر اپنے لئے نمونہ [Ideal] تلاش کرے اور جس طرح وہ اخلاق سے پیش آتا ہے اسی طرح یہ بھی اخلاق سے پیش آئے۔ اور یہ بات بھی انسان کے اوپر موقوف ہے کہ وہ اپنا (Ideal) کس کو بناتا ہے

اخلاق ہی انسان کی وہ صلاحیت ہے جس سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر انسانیت میں سے اخلاق کی صفت نکال لی جائے تو باقی صرف حیوانیت رہ جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اکمل المؤمنین ایما نا احسنہم اخلاقاً“ مومنوں میں بہترین ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو!۔ چنانچہ آپ ﷺ اخلاق کے معاملے میں روئے زمین پر تمام لوگوں میں سب سے اچھے تھے۔

اس معاملے میں انسان خود مختار ہے۔ لیکن انسان کے خود مختار ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو لا وارث اور بے لگام چھوڑ دیا گیا ہے، جس کو چاہے اپنا آئیڈیل (Ideal) بنائے بلکہ اسے عقل و ضمیر جیسے رہبروں جیسی نعمت سے مالا مال کر کے بھیجا گیا ہے، کسی بھی آئیڈیل (Ideal) کا انتخاب کرنے سے پہلے بس یہ سوچ لے کہ آیا عقل بھی اس آئیڈیل (Ideal) کو قبول کرتی ہے؟ تو

پھر ان شاء اللہ کبھی بھی وہ کسی کے دام فریب میں گرفتار نہیں ہوگا۔ ایک بات اور، مسلمان ہونے کے نسبت ہمارا آئیڈیل (Ideal) کوئی نیوٹن، سقراط، کارل مارکس یا کوئی سیکولر، لبرل یا کوئی بے دین نہیں ہونا چاہئے ہم غیروں کے پاس کیوں جائیں کیا ہمارا (اسلام کا) اپنا دامن معاذ اللہ اخلاق سے خالی ہے؟ جبکہ ہمارے (اسلام کے) دامن میں تو اس حوالے سے بھی ماشاء اللہ اتنا کچھ ہے کہ اس سے خود اسلام کے نہ ماننے والے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ (کیا ہوا اگر ہم مسلمانوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا ہے۔) پھر ہمارا غیروں کے در پر جانا چہ معنی دارد؟ ہمیں اگر اپنا آئیڈیل چننے میں دشواری پیش آرہی ہو تو آئیے اپنے کسی خیر خواہ سے پوچھتے ہیں۔ کیا اللہ رب العزت سے بڑھ کر ﴿جو ہمارا خالق ہے﴾ ہمارا کوئی خیر خواہ ہو سکتا ہے؟ آئیے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں چلتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کیا فرمان ہے؟ اللہ رب العزت فرما رہے ہیں: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا" سورة احزاب / 21۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔ حضرت سعید ابن ہشام تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: "كَانَ خُلُقَهُ الْقُرْآنَ" یعنی آپ ﷺ کا اخلاق تو قرآن تھا۔ گویا قرآن کی صورت میں مطلوب زندگی کا جو نقشہ

آپ ﷺ نے دوسروں کے سامنے پیش کیا، خود آپ ﷺ اسی نقش میں ڈھل گئے۔ چونکہ اخلاق کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ کی ذات بابرکت میں ہمارے لئے کوئی نمونہ نہ ہو، آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ "اَنَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ" میں اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ ہمیں اخلاق کی تعلیم دے گئے بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اکابرین سلف صالحین رحمہم اللہ ان تعلیمات پر عمل کر کے ہمارے لئے نمونہ بھی چھوڑ گئے۔ آئیے آئینہ تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں کہ میرے نبی ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ آپ ﷺ کی سیرت کیا تھی؟ آپ ﷺ اخلاق کے متعلق امت کو کیا تعلیم فرما گئے؟ آئیے اپنا اپنا دامن بھرتے ہیں۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ چند یہودی عالموں کی جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، جب وہ لوگ آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: "السلام علیکم" (تباہی ہو تم پر) امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو ان سے برداشت نہ ہو سکا، انہوں نے کہا بلکہ تم لوگ غارت ہو جاؤ اور تم پر خدا کی لعنت ہو! آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس قسم کے جواب سے منع فرمایا اور کہا: اللہ تعالیٰ مہربان ہیں اور وہ ہر کام میں مہربانی کو پسند کرتے ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ مخالف کا دل جیتنے کے لئے اس سے بڑا کوئی حربہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی بدزبانی کا جواب نرم باتوں سے دیا جائے، کسی نے خوب کہا ہے: "تھھیار کے حملے کی تاب لانا تو ممکن ہے مگر کردار کے حملے کے

مقابلے میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ یہاں ہر شخص کو اپنی بارمانی پڑتی ہے۔ اخلاق کی بلندی یہ ہے کہ کہنے والا جو کچھ کہے اس پر خود عمل کرتا ہو، سورہ الصفت میں فرمایا گیا: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ"۔ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔ اعلیٰ اخلاق یہ ہے کہ کمزوروں کے ساتھ وہ رعایت و شرافت کا وہی طریقہ اختیار کرے جو کوئی شخص طاقتور کے ساتھ کرتا ہے، اپنے لئے جو اس کے پاس معیار ہو وہی معیار دوسروں کے لئے بھی ہو، مشکل حالات میں بھی وہ اپنے اصولوں سے نہ ہٹے، حتیٰ کہ دوسروں کی طرف سے پریشان کرنے کے وقت یا کسی کی طرف سے پست کردار کا مظاہرہ ہو تب بھی وہ اعلیٰ کردار پر قائم رہے، رسول اللہ ﷺ اس اعتبار سے اخلاق کے کمال درجہ پر تھے، آپ ﷺ نے کبھی اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑا، کوئی مصلحت یا کوئی اختلاف یا ذاتیات آپ کو اخلاق سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ایک بوڑھی عورت کا قصہ مشہور ہے وہ ہر روز آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکا کرتی تھی، ایک دن حضور ﷺ اس کے مکان کے پاس سے حسب معمول گزرے تو آپ ﷺ پر کسی نے کوڑا نہ پھینکا تو آپ ﷺ نے محلہ والوں سے دریافت کیا کہ فلاں مائی خیریت سے تو ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو بیمار ہے، آپ ﷺ یہ سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ساتھ لے کر اس بڑھیا کی تیار داری کے لئے اس کے گھر چلے گئے، مائی نے دیکھا یہ تو وہی شخص ہے جس پر میں روزانہ کوڑا پھینکا کرتی

تھی مگر وہ برا ماننے اور کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اور شرافت سے برداشت کر کے چلا جاتا تھا اور آج وہی میری تیمارداری کے لئے آگیا ہے، یہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ یہ عام انسان نہیں، واقعی خدا کا پیغمبر ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اس نے حضور ﷺ سے معافی مانگی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئی، گویا یہ آپ ﷺ کے اخلاق کا اثر تھا، اسی طرح بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق ہی انسان کی وہ صلاحیت ہے جس سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر انسانیت میں سے اخلاق کی صفت نکال لی جائے تو باقی صرف حیوانیت رہ جاتی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ اخْلَاقًا" مومنوں میں بہترین ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو!۔ چنانچہ آپ ﷺ اخلاق کے معاملے میں روئے زمین پر تمام لوگوں میں سب سے اچھے تھے۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنا کام خود کرتے تھے، ایک شخص نے امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ گھر میں کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:۔ کہ جی ہاں، رسول اللہ ﷺ اپنی جوتی کو ٹانگا لگالیتے تھے اور اپنا پھٹا ہوا کپڑا اسی لیتے تھے اور اپنے گھر میں (گھریلو) کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کا کام کرتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلام یا بیوہ کے ساتھ چلنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے جب تک کہ ان کی حاجت پوری نہیں کر لیتے۔ ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

بقیہ: صفحہ نمبر (45) پر

ذہیر حسن شیخ

عقل و خرد کی منزلیں

سب ہوئیں دھواں دھواں !!!

”ادب پہلا
قرینہ ہے
محبت
کے قرینوں میں“

جب اس انکارِ عالمی میں ہوتا ہے عقلیں پیدا

تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

بات وہی پرانی ہے 133۔ سب مٹی ہے سب پانی ہے۔ پانی جو۔۔ بالآخر سائنس کی تمام تر علت اور معلول کے نتیجے میں۔۔ دھواں ثابت ہوا ہے۔ بچے کے ذہن میں۔۔ بے شمار سوال ہیں۔ بچہ جو انسان ہے۔ اور انسان جو۔۔ بچہ واقع ہوا ہے نظام قدرت۔۔ کے سامنے۔۔ پھر بھی سوچتا ہے۔ یہ جسم۔۔ یہ بال و پر و جلد۔۔ یہ سب کہاں اور کیسے بنتے ہیں؟ یہ دانت۔۔ کہاں سے نکل آتے ہیں؟ یہ ناخن کیوں۔۔ بڑھ جاتے ہیں؟ ان کا مادہ اور مواد جسم میں۔۔ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ کہاں سے آتا ہے؟ جسم کے اعضا کیسے۔۔ پروان چڑھتے ہیں؟ سب۔۔ سائنس کی۔۔ کرشمہ سازی ہے اسے تو یہی بتایا جاتا ہے۔ لیکن خود۔۔ سائنس کس کی کرشمہ سازی ہے۔ بچہ جاننا چاہتا ہے۔۔ اسے جواب۔۔ نہیں ملتا۔ آخر انسان کا بچہ ہے۔ سوچتا ہو کر۔۔ دھواں بن سکتے ہیں۔۔ بلکہ بن جاتے ہیں۔۔ بنتے آئے ہیں۔۔ لیجیے۔۔ سب کچھ دھوئیں سے تھا۔۔ اور سب کچھ دھواں دھواں ہوا۔۔ لا متناہی دھواں۔۔ بچے کے احساسات دھواں، بچے کے جذبات دھواں۔۔ عقل و خرد دھواں۔۔ بچہ جو انسان ہے۔۔ اور انسان جو۔۔ نظام فطرت کے سامنے ابھی بچہ ہے۔۔ بچہ سوچتا ہے۔۔ آفات ناگہانی کیوں اور، کیسے آتی ہیں۔۔؟ کیوں نہ سوچے انسان جو ٹھہرا۔۔ جب جب آتی ہیں۔۔ تب تب۔۔ سوچتا ہے، جب نہیں آتی تو نہیں سوچتا۔ اس کے پاس۔۔ اچھے خاصے علوم ہیں سوچنے کے لئے۔ زلزلہ میں زمین کے اندر کی سطحوں کا پھیلنا۔۔ یا سمٹنا، سکڑنا یا ٹکرائنا۔۔ مختلف تدریجی عمل سے گزرنا۔۔ اور اپنے اثرات مرتب کرنا۔۔ بچہ مختلف پیمانے یا ”اسکیل“ بھی کھوج لیتا ہے۔ علوم و فنون مٹی سے۔۔ تخم اور شاخیں مٹی سے، پھول پتے مٹی سے۔۔ شجر و حجر مٹی سے، فولاد و معدنیات مٹی سے۔۔ اور پھر سب مٹی ہو جاتے ہیں۔ حسن و شباب مٹی۔۔ جاندار و بے جان مٹی، انسان بھی مٹی۔۔ چلنے عقدہ حل ہوا۔ علم کا سراونچا ہوا۔ خرد کو سرخروئی ہوئی۔ اسناد بانٹ دی گئیں تحقیقات رنگ لائیں۔۔ دریافتیں قبولیاب ہوئیں، مٹی کو مٹی۔۔ کر دکھایا گیا۔ بے شمار ”کوڈز“ اور اشارات متعارف کرا دیئے گئے۔ اور انہیں مختلف مادوں سے منسوب کر دیا گیا۔ لیکن سوال تو پھر بھی یونہی بچے کا۔۔ منہ چڑھا رہا ہے اور بچہ مٹی کا۔ مٹی کہاں سے آئی۔۔ پانی کہاں سے آیا۔۔ پھر تحقیق کے جھنڈے گاڑ دیئے گئے۔ بچے کو بتادیا گیا کہ مٹی پانی سب مخلول۔۔ سب لائق تحلیل۔۔ اور سب کسی نہ کسی عمل۔۔ کے تحت اپنی ظاہری ہیئت سے تبدیل

ہے کہ۔۔ تم وہاں تک نہ پہنچے ہم جہاں تک آگئے۔۔ ادب کی کوئی حد نہیں۔۔ انسان ادب کے شانے پر سوار۔۔ ہو کر خرد سے آگے نکل جاتا ہے۔۔ لیکن اگر ایمان کی منزل۔۔ پر پہنچ نہیں پاتا تو پھر۔۔ سب دھواں دھواں۔۔ افکارات دھواں۔۔ احساسات دھواں۔۔ جذبات دھواں، پھر نظریں دھواں دھواں۔۔ تمنائیں لڑکھڑاتی ہیں۔ کیا کیا جائے۔۔ بچہ آخر کو انسان ہی ہے۔۔ انسان ابھی بچہ ہے۔۔ نظام قدرت کے سامنے۔۔ لیکن۔۔ جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا۔۔ تو کر لیتا ہے یہ بال و پیر روح الامیں پیدا۔۔ ادب کی بات مانے تو۔۔ آفات ناگہانی میں اور خاص کر زلزلوں میں۔۔ اس کی سوئی ہوئی رگ رگ۔۔ پھڑک اٹھتی ہے۔۔ محبت و رحم دلی کی رگ۔۔ مساوات و بھائی چارے کی رگ انسانی حقوق و فرائض کی رگ۔۔ خیر و خیرات کی رگ۔۔ انسانیت و روحانیت کی رگ۔۔ پھر کچھ اور کرشمہ سازیوں۔۔ کے دور چلتے ہیں۔۔ خوب چلتے ہیں۔۔ ”کہ درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو“۔۔ پھر محبت فاتح عالم۔۔ ہو جاتی ہے۔۔ ساری کدورتیں بھلا دی جاتی ہیں۔۔ سارے سیاسی قضیے نمٹا لئے جاتے ہیں۔۔ درد و الم میں سب کیجا ہو جاتے ہیں۔۔ اور خوب ہوتے ہیں۔۔ پھر انسان وقتی طور۔۔ پر ہی سہی۔۔ مثل حباب آبجور ہوتا ہے۔۔ یہ سب کچھ نیا نہیں ہے۔۔ لیکن عارضی ضرور ہوتا ہے۔۔ پتہ نہیں مہذب انسان کی ان رگوں کو پھڑکنے۔۔ کے لئے قدرت کو۔۔ کتنی بار زمین اور آسمان۔۔ کے دروازے کھٹکھٹانے پڑیں گے۔۔ یہ سب رگیں وقتی طور۔۔ پر ہی کیوں پھڑکتی

طویل بحث۔۔ کا اختتام بھی انجانی۔۔ طاقت و قوت پر کر دیا گیا۔۔ سائنس اور علم الطبیعات کی کرشمہ سازی۔۔ کی حد بس یہیں تک تھی۔۔ قصہ یہ سب سچا ہے۔۔ اور کچھ کچھ تمام ہوا۔۔ اسی طرح زلزلوں کی قوت ثابت ہوئی۔۔ بچہ سمجھدار کیا ہوا۔۔ زلزلے بھی۔۔ اب تو اتر سے آنے لگے۔۔ زلزلوں کے گزر جانے۔۔ کے بعد انسانی احساسات و جذبات۔۔ اور روحانیت۔۔ کا دور دورہ۔۔ شروع ہوتا ہے۔۔ اس کا مظاہرہ بھی ضروری ہے۔۔ بھلے وقتی ہی سہی۔۔ بچہ آخر انسان۔۔ ہی تو ہے، محبت و

وہی بے بضاعتی، وہی نفس پرستی، وہی

بے نیازی، وہی مادہ پرستی، وہی بدعنوانی،

وہی سیاسی و ملکی اور ذاتی خود غرضیاں، وہی

مفادات و سیاست ساری خوبیاں پھر دھواں

دھواں ہو جاتی ہیں بچہ کیا کرے انسان جو

ٹھہرا اور وہ بھی اکیسویں صدی کا

مروت انسانیت۔۔ اور جذبات و احساسات کا، امداد و ہمدردی کا۔۔ عالمی انسانی مساوات و بھائی چارگی۔۔ اور امداد باہمی کا مظاہرہ۔۔ علوم و فنون، افکار و بیانات کی طاقت۔۔ کا مظاہرہ سیاسی، ملکی و عسکری قوت کا مظاہرہ۔۔ اور جب جب ان طاقت و قوت اور علوم فنون۔۔ کے ساتھ ادب و شاعری کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔۔ تو بات عقل و خرد سے آگے نکل جاتی ہے۔۔ کہتے ہیں ادب کی پہنچ خرد سے آگے ہے۔۔ بشرطیکہ بچہ بے ادب واقع نہ ہوا ہو۔۔ اور شور و غل نہ کرنے لگے کہ۔۔ ”ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں“۔۔ ادب تو یہی کہتا

ہے۔ زلزلوں کے دائرہ اثر۔۔ کا تخمینہ بھی بے آسانی لگا لیتا ہے۔ زلزلوں کا عارضی مرکز۔۔ بھی ڈھونڈ لیتا ہے، جبکہ پتہ نہیں کیوں۔۔ دائمی مرکز اسکی سوچ سے بہت دور رہتا ہے۔۔! پھر کچھ اور زور دیتا ہے تو زمین کے اندر۔۔ پیدا ہونے والے۔۔ اس انتشار کا محرک بھی تلاش کر لیتا ہے۔۔ اور یہ بھی ڈھونڈ لیتا ہے کہ۔۔ مختلف مائع، گیس اور محلول۔۔ کا انتشار زلزلوں کا باعث بنتا ہے۔ عقل و خرد۔۔ کے گھوڑے کچھ اور دوڑا دے۔۔ تو اسے قوت و طاقت یا ”انرجی“ کہہ کر۔۔ علم و فن کی دہائی دے دی جاتی ہے۔ اور کچھ نہ بن سکا تو۔۔ سائنسی طاقت سے اسے موسوم کر دیا جاتا ہے۔۔ انسان جو ٹھہرا اگر خرد نہ۔۔ ذرا آگے جانے کی کوشش کی۔۔ کس کی طاقت۔۔ اور کس کی قوت۔۔ جیسے سوالات کے جوابات۔۔ دینے پر آمادگی جتائی۔۔ تو بچہ کا سر گھوم جاتا ہے۔۔ وہیں جا پہنچتا ہے۔۔ جہاں سے شروع کیا تھا۔۔ پھر سب کچھ دھواں دھواں۔۔ کچھ اسی طرح زلزلہ کی علت و معلول۔۔ کی زلفِ پیچاں بھی سنور جاتی ہیں۔ اس کا اختتام انرجی۔۔ طاقت و قوت پر ہو جاتا ہے۔۔ سائنس کی طاقت۔۔!! لیجیے زندگی۔۔ اور۔۔ موت۔۔ کا عقدہ حل ہو گیا۔ صرف تباہی۔۔ اور بربادی۔۔ کا تخمینہ لگانا باقی بچا۔۔ کچھ اسی طرح۔۔ دیگر آفات ناگہانی کے عقدے بھی۔۔ بچے نے حل کر لئے۔ طوفان میں ہواؤں کی سازش۔۔ اور برق میں گھٹاؤں سے انتشار، آتش فشاں۔۔ میں آگ کی سوزش مختلف عناصر و عوامل کا پریشاں۔۔ ہونا بھی ثابت کر دیا، پھر انکے اجزائے ترکیبی و تربیتی۔۔ کے منتشر ہونے کو انرجی کا نام دے دیا۔ الغرض علت و معلول کی

انرجی یا۔۔ طاقت و قوت کا اصل سرچشمہ کہاں ہے اور کس کا ہے یہ معلوم ہونا چاہیے، جب تک اسے یہ نہیں معلوم ہوتا عقل و خرد کی انتہا دھواں دھواں ہوتی رہے گی، زلزلے اور دیگر آفات ناگہانی یونہی آتی رہی ہیں اور آتی رہیں گی، یہ اس وقت بھی آیا کرتی تھیں جب بچے کو انرجی کی حجب بھی نہیں پتا تھی، تابکاری کا نام نشان نہیں تھا، تحقیق و مشاہدات نے، ترقی و تمدن نے اور، بارود و اسلحہ کی صنعتوں نے نظام قدرت کو چھیڑا نہیں تھا۔۔ تعمیراتی منصوبوں نے زمین کی چھاتی میں سوراخ نہیں کیے تھے، پہاڑوں کے وقار کو پارہ پارہ نہیں کیا گیا تھا۔۔ دریاؤں کو بربادی پر آمادہ نہیں کیا گیا تھا اور جنگلوں کو بے لباس نہیں کیا گیا تھا، اور نہ ہی انسان نے سائنسی طاقت و قوت اور شان و شوکت کے نشے میں قدرت کو لکارا تھا، قدرت کے پاس اپنی نشانیوں کو نمایاں کرنے اور بچے کو سبق سکھانے کے لئے بے شمار ترجیحات تھیں اور ہمیشہ رہتی ہیں، تب بھی زلزلے آتے تھے لیکن اس وقت بھی آج ہی کی طرح جرم و گناہ اور بے ایمانی کا بول بالا ہوا کرتا تھا اس وقت بھی انسان مغرور ہوا جاتا تھا۔ اپنے جہل میں، جیسے آج مغرور ہوا جاتا ہے اپنے علم میں، سائنسی علوم غالیہ اور ادب غالیہ چاہے اپنی توجیہات پیش کرتے رہیں، جو بجا ہیں، چاہے سیاست و حکومت اور عوام یونہی عارضی امداد باہمی کا مظاہرہ کرتے رہیں یہ بھی بجا سہی، مگر بچہ یونہی پریشان رہے گا۔ نظام قدرت کے سامنے، اسکی لا محدود قوت کے سامنے، انسان آخر بچہ ہی تو ہے۔ پتا نہیں یہ کب بڑا ہوگا۔

باایمان اور ہونہار ہوگا۔۔!!

ہے۔۔ ایمان علت و معلول کا محتاج نہیں ہوتا ایمان صبر و تحمل کا پیکر ہوتا ہے۔۔ دائمی مساوات، بھائی چارگی اور انسانیت کا۔۔ دردمندی کا، احسان و شکر کا۔۔ وحدانیت کا۔۔ ایمان لافانی ہوتا ہے، ایمان جو درد کو سمجھتا ہے۔۔ اور دعائیں جاتا ہے، ایمان جو علم و فن و ادب کی طرح۔۔ دھواں نہیں ہو جاتا۔۔ مکر و غور سے پاک ہوتا ہے، خود غرضی اور انا و پندار سے پاک۔۔ تو ہم پرستی اور ایسی تمام برائیوں سے پاک ایمان۔۔ جو مختلف انسانی رنگوں کو پھڑ پھڑاتا رہتا ہے۔۔ انسانی خوبیوں کو جگاتے رہتا ہے۔۔ ایمان کو پتہ ہے دھویں کے بعد کیا ہے۔۔ حیات و ممات کے بعد کیا ہے۔۔ اور ان سے پہلے کیا تھا۔۔ عدم کیا ہے، طاقت و قوت دراصل کس کی ہے۔۔ عدم نفی ہے تو ثبات کیا ہے، ثبات کسے ہے۔۔ باقی کون ہے کون تھا اور کون رہے گا۔۔ لیکن پھر وہی تک بندی کہ بچہ آخر کو انسان ہے۔۔ اور انسان آخر کار بچہ ہی ہے۔ قدرت کے سامنے، اسکی طاقت و قوت کے سامنے وہ لا محدود طاقت و قوت جسے وہ۔۔ سائنسی علوم و فنون کے ترازو پر۔۔ آسانی سے تول تو لیتا ہے۔۔ لیکن اسے سائنسی تفکک انرجی سے تعبیر کر کے محدود کر دیتا ہے، سب کچھ دھواں ہو رہا ہے اور یونہی ہوتا رہے گا، جب تک ایمان کا اجتماعی ہمہ وقت قیام نہیں ہوتا۔۔ جب تک ایمان مجسم دعا نہیں بن جاتا۔۔ اور دعا مجسم ایمان نہیں ہو جاتی پھر آفات ناگہانی بھلے ہی مشیت الہی کے تحت وارد ہوتی رہے۔۔ اور کارخانہ حیات میں انسان با اختیار ہو کر بھی یونہی بے اختیار رہے۔ خود کار مشینی پرزوں کی طرح بھلے ہی، مجبور و بے بس رہے۔ لیکن اسے

ہیں۔۔ سب تکلفات بجا سہی۔۔ لیکن عارضی کیوں ہیں۔۔ دائمی کیوں نہیں؟۔۔ پھر سب کچھ ویسا ہی ہو جاتا ہے۔۔ جیسے پہلے تھا۔۔ وہی بے بضاعتی، وہی نفس پرستی۔۔ وہی بے نیازی۔۔ وہی مادہ پرستی۔۔ وہی بد عنوانی۔۔ وہی سیاسی و ملکی۔۔ اور ذاتی خود غرضیاں۔۔ وہی مفادات و سیاست۔۔ ساری خوبیاں پھر۔۔ دھواں دھواں ہو جاتی ہیں۔۔ بچہ کیا کرے۔۔ انسان جو ٹھہرا۔۔ اور وہ بھی اکیسویں صدی کا۔۔ وہ علت و معلول کی کسوٹی سے۔۔ سب کچھ اخذ کر سکتا ہے، اور کارخانہ حیات۔۔ کے تمام جاندار اور بے جان پرزوں کو مٹی مٹی کر دیتا ہے۔۔ اور پھر علوم و فنون کی منزلیں طے کر انہیں پانی پانی کر دیتا ہے۔۔ بالآخر دھواں دھواں۔۔ وہ کیوں اور کیسے کی کنہ تک توبہ آسانی پہنچ جاتا ہے۔۔ لیکن بھول جاتا ہے کہ۔۔ یہ لامتناہی مادہ کی شکل میں دھواں کہاں سے آیا؟۔۔ کس نے بنایا۔۔ اسکا علم و فن اسے پھر مادہ کی بھول بھلیوں میں لے جاتا ہے۔۔ مادیت پرستی کی بھول بھلیوں میں۔۔ جس کے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا۔۔ بلکہ سوچ ہی نہیں پاتا۔۔ مہذب و متمدن جو ٹھہرا۔۔ لیکن اندر کہیں اس کا تخیر باقی رہتا ہے۔۔ تخیر جو ضمیر سے جڑا ہے، اور ضمیر روح سے۔۔ روح کو سب کچھ پتہ ہے۔۔ وہ عقل و خرد سے بے نیاز ہے۔۔ بس بول نہیں پاتی۔۔ بتا نہیں سکتی۔۔ یہ اختیار اسے نہیں ہے۔۔ ورنہ تو سارے عقدے حل ہو گئے ہوتے۔۔ عقل و خرد کے پاس روح کی علت و معلول نہیں ہے۔۔ اور وہ اسے وجود سے نہ انکار کر سکتی ہے اور نہ ہی اقرار۔۔ اور نہ انکار ثابت کر سکتی اور نہ ہی اقرار۔۔ روح صرف ایمان کو جانتی

فضائل تقویٰ

پہلا درجہ یہ ہے تقویٰ کا جس کے معنی خوف کے ہیں کہ دل میں اللہ کا خوف اختیار کرے تاکہ معصیت سے بچ جائے!

نیچھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر، پڑی اپنی خرابیوں پر جب نظر تو نگاہ میں کوئی برادر رہا!

غریب کے لئے موقع مایوسی کا نہیں اور امیر کے لئے موقع کفرانِ نعمت کا نہیں اس پر شکر واجب ہے اُس پر صبر واجب ہے!

احادیث میں ہے کہ حضرات صحابہؓ انتظار میں رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور آکر سوال کریں تاکہ علوم کھلیں اور ہم سب کو ان کی بدولت تازہ علوم حاصل ہوں۔ صحابہ کرامؓ پر حضور ﷺ کے جاہ و جلال کی عظمت غالب تھی اس لئے ہر ایک کو سوال کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ شانِ نبوت سے واقف تھے اس لئے ان کے دل پر ہیبت تھی اور خوف تھا۔ اور دیہات والے بیچارے سادے ہوتے ہیں انھیں کچھ خبر نہیں ہوتی جو چاہے آکر پوچھ لیا، جو چاہے کہہ دیا۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ایک دیہاتی بھی آگیا اس کو دینے میں دیر لگی آپ اوروں کو دے رہے تھے۔ اس نے کھڑے ہو کر فوراً کہا کہ اے محمد (ﷺ) یہ مال تیرا نہیں اور نہ تیرے باپ کا ہے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جسے شانِ نبوت کا پتہ نہ ہو اس لئے صحابہؓ منتظر رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آجائے اور آکر سوال کرے حضور ﷺ جواب دیں گے اور ہمارا علم بڑھے گا۔ تو بھائی جتنا جلال و عظمت دل میں پیدا ہوگی اتنا ہی خوف اور ڈر بڑھتا چلا جائیگا۔ اور عظمتِ خداوندی سے جتنا جاہل ہوگا اتنا ہی آزاد ہوگا۔ تو اس کے لئے اعلیٰ ترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں خوفِ خداوندی پیدا کریں تاکہ جرائم سے بچیں اور خوف پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہم تصور کریں کہ اللہ مالک الملک ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ موت و حیات اسی کے قبضہ میں ہے۔ صحت و بیماری اسی کے ہاتھ میں ہے تو نگرانی اور مفلسی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ”لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ“ کہ جو کچھ وہ کر دے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کیوں کیا ہے۔ وہ بُری ہے ان سب چیزوں سے، تو جب یہ یقین و تصور ہوگا بندہ کو کہ وہ غنی مطلق ہے، جو چاہے کرے تو دل میں ہیبت پیدا ہوگی کہ میں ایک بندہ ذرّہ بے مقدار ہوں اور مالک الملک کے سامنے ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بے ادبی ہو جائے۔ تو دل میں ڈر بیٹھ جائیگا تو پہلا درجہ یہ ہے تقویٰ کا جس کے معنی خوف کے ہیں کہ دل میں اللہ کا خوف اختیار کرے تاکہ معصیت سے بچ جائے۔ بادشاہ ظفر مغل دور کا آخری بادشاہ گزرا ہے جس سے انگریزوں نے ملک چھینا تھا۔ وہ کچھ اپنے مزاج سے بھی صوفی منش تھا اور دیندار بادشاہ تھا اور کچھ حالات نے بے بس بنا دیا تھا تو بالکل ہی صوفی منش بن گیا۔ اس نے ایک قطعہ شعر کا کہا ہے وہ قطعہ واقعی بڑا عجیب و غریب ہے: بادشاہ ظفر شاعر بھی تھا اور اس کا کلام بھی چھپا ہے اس کا کلام بڑا اونچا ہوتا تھا۔ اس شعر کے اندر بھی ایک اونچی حقیقت بیان کی

خلقت بنائی ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ چار پیسے ان کے ہاتھ میں آئے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں تکبر اور غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو حقیر جاننے لگتے ہیں ایسوں کو اگر دنیا کی دولت دے دی جائے تو ظلم کا کارخانہ کھل جائے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ لاکھوں روپے آجائیں پھر بھی انسان بنے ہوئے ہیں، پھر بھی ان میں دینداری ہے، پھر بھی ان میں وہی جذبہ ہے، پھر حق تعالیٰ ان کو دولت دنیا میں ترقی دیتے ہیں۔ تو باری

تعالیٰ جسے دولت دیتے ہیں اسے جانتے ہیں کہ کس مصلحت کے تحت اسے دولت دی گئی ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”كَذَٰلِكَ الْفَقْرُ اِنْ يَكُوْنُ كُفْرًا“ بعض دفعہ فقر و فاقہ کفر کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آدمی اللہ کی شکایتیں کرنے لگتا ہے اور ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس کو پیسے دے دیئے جائیں تاکہ ایمان محفوظ رہے اور بعض ایسے ہیں کہ چار پیسے ہاتھ میں آئے وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ انہیں مفلس رکھا جاتا ہے تاکہ وہ آپے میں رہیں۔ تو مفلسی اور تو نگری ”من جانب اللہ“ ہے جیسی جیسی خلقت جسکی بنائی ہے اسی کی مناسبت سے اسے دیتے ہیں۔ ”نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ“ ہم نے ہی رزق تقسیم کیا ہے ہم نے ہی معاش تقسیم کی ہے اور ہم نے ہی درجے قائم کئے ہیں بعضوں کو اونچا بنایا بعضوں کو نیچا بنایا اب اونچے کا کام یہ ہے کہ وہ جھکے اور شکر کرے اور نیچے کا کام یہ ہے کہ وہ صبر کے ساتھ دعا کرے اور مانگے۔ اس سے دونوں کا فائدہ ہوگا اللہ نے دونوں کے لئے راستہ رکھ دیا ہے کہ تو نگری بھی نجات پائے اور مفلس بھی نجات پائے۔

جائیگا۔ اس لئے بادشاہ ظفر نے یہ نصیحت سے بھرپور شعر کہا ہے۔ بہر حال خوف خدا جب دل میں ہوگا تو آدمی مالدار میں بھی گناہ سے بچے گا اور افلاس میں بھی گناہ سے بچے گا۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اور کسی پاک نصیحت ارشاد

نتیجہ حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی حسرا بیوں پر جب نظر، تو نگاہ میں کوئی برائے نہ رہا!

فرمائی ہے:- حدیث قدسی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اپنے بندوں سے کہ تو نگری اور دولت مندی کے زمانے میں مجھے یاد رکھ تاکہ تیری مفلسی کے زمانے میں تجھے یاد رکھوں اور اے بندے تو اپنی صحت کے زمانے میں یاد رکھتا کہ میں تیری بیماری کے زمانے میں تجھے یاد رکھوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تو نگری کی حالت میں ہو تو جب بھی خوف خدا ضروری ہے۔ اگر تو نگری میں خوف خدا نہیں تو ڈر ہے کہ تو نگری چھن جائے اور اگر مفلسی میں خوف ہے تو ممکن ہے کہ وہ تو نگری بن جائے، یہ اللہ کے قبضہ میں ہے جسے چاہے دیتے ہیں اور جس سے چاہے لے لیتے ہیں۔ جس کو دینا بہتر سمجھتے ہیں اس کو دیدیتے ہیں مگر دیتے ہیں اسی حد تک جس حد تک باری تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اجازت دیتی ہے۔ معاذ اللہ یہ کوئی الپ بات نہیں کہ جسے چاہیں لکھ پتی بنادیں اور جسے چاہیں مفلس۔ اس نے جیسی خلقت بنائی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کو یہ دینا مصلحت ہے اور اس کو نہ دینا مصلحت ہے۔ اسے تو نگری بنانا مصلحت ہے اور اسے مفلس رکھنا مصلحت ہے قلوب کے حالات کو وہی بہتر جانتا ہے جس نے

ہے، وہ کہتا ہے ”ظفر آدمی اس کو نہ جانے گا گو ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا، جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا، یعنی کتنا ہی عقلمند، ہوشیار، دانشمند ہو اس کو آدمی نہیں سمجھنا چاہیے جو تو نگری اور عیش میں آکر اللہ کو بھول جائے یا طیش

اور غضب آیا تو خدا کے ڈر کو بھول گیا اور اپنا ظلم و زیادتی کمزور انسان پر کرنا شروع کر دیا وہ آدمی نہیں ہے۔ آدمی کی صورت میں ایک انسان ہے جس میں اوصاف چیتے اور بھیڑیئے کے ہیں اس کے اندر انسانی اخلاق نہیں۔ نہایت ہی عمدہ بات ہے اور بہت ہی قیمتی بات ہے آگے دوسرا شعر کہتا ہے:- نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر۔ پڑی اپنی خرابیوں پر جب نظر، تو نگاہ میں کوئی برائے نہ رہا!۔ آدمی دوسروں کو برا جب ہی سمجھتا ہے جب اپنی برائیاں سامنے نہ ہو اور جب اپنی برائیاں سامنے آئیں گی تو ہر ایک بھلا نظر آئیگا اس لئے آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنی برائیوں پر نظر رکھے کہ میرے اندر یہ کھوٹ ہے۔ یہ خرابی ہے، میری نمازوں میں فتور ہے، میرے روزوں میں فتور ہے میری زکوٰۃ میں فتور ہے، میں گنہگار ہوں۔ جب آدمی کو یہ تصور ہوگا تو دوسرا آدمی نگاہوں میں اونچا معلوم ہوگا اور اگر وہ متکبر ہے اور اپنے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے تو وہ دوسروں کو حقیر جانے گا جب دوسروں کو حقیر جان لیا تو اس کے اوپر ظلم و زیادتی سب روا رکھے گا۔ پھر دنیا میں پورا کارخانہ ظلم کا کھل

دروازے بند کئے ہیں بھلا وہ اڑ کر نہیں جاسکتا ہے چھتوں کے اوپر سے؟ دل ہی دل میں کہا کہ بادشاہ بڑا بے وقوف ہے اور اللہ میاں سے عرض کیا کہ خدایا تیری قدرت کہ کندہ نائراش کو تو نے بنا دیا بادشاہ، جسے اتنی بھی عقل نہیں کہ جانور کو روکنے کے لئے جال ڈالنے کی ضرورت ہے یا شہر پناہ کے دروازے بند کرنے کی؟ اسے تو ملک دے دیا اور ہم جیسا فاضل جو تیاں چٹا تا پھر رہا ہے جس کے اندر علم بھی ہے، معرفت بھی اور کمالات بھی بھرے ہوئے ہیں ہمیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں، ایک وقت کھالیا اور ایک وقت فاقہ ہے۔ تو جس میں یہ دولت موجود ہے وہ جو تیاں چٹا تا پھرے اور جو ایسے احمق اور کندہ نائراش ہیں وہ تخت سلطنت پر بیٹھ جاویں آپ کی عجیب قدرت ہے۔ یہ گویا ایک سوال اور ایک خلیجان اللہ کے سامنے پیش کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ اچھا کیا تم اس پر راضی ہو تمہارا علم، تمہاری معرفت، تمہارا ایمان چھین کر اس بادشاہ کو دے دیں اور اس کی ساری سلطنت تمہیں دیدیں۔ تیار ہو؟ انہوں نے کہا نہیں اس پر تیار نہیں ہوں معلوم ہوا کہ ایمان کی قوت زیادہ تھی اور توکل کی قوت زیادہ تھی دولت سے، ورنہ راضی ہو جاتے کہ میں نے علم بھی دیا ایمان بھی دیا لائے مجھے تخت سلطنت دیجئے، نہیں بلکہ تخت سلطنت پر لات مادی اور ایمان و علم اور معرفت نہیں چھوڑی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی دولت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دونوں دولتیں دے دے کہ مال کی دولت بھی ہو اور ایمان کی قوت بھی ہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ بھی ہو تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ نے دین اور دنیا دونوں کو جمع کر دیا ہے یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے دے

باطنی بڑھادی۔ وہ اپنے انگ میں خوش ہے یہ اپنے انگ میں خوش ہے اور بسا اوقات باطنی نعمت مال سے بھی بڑھ جاتی ہے اگر ایمان کی دولت مضبوط ہے تو ہزاروں مال اس کے نیچے دب جاتے ہیں اور یہ دولت سب سے اونچی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کسی شہر میں پہنچے۔ بڑا شہر تھا اور قلعہ بند تھا، دیکھا کہ سارے دروازے بند ہیں اور ہزاروں مال گاڑیاں ادھر رکی ہوئی کھڑی ہیں اور ہزاروں مال گاڑیاں اندر رکی ہوئی کھڑی ہیں۔ دن کا وقت ہے

آپ کا عمل کرنا علامت ہے
فضل کی۔ فضل ہے جب ہی تو
آپ عمل کر رہے ہیں اگر فضل نہ
ہوتا تو آپ کہاں سے عمل
کرتے۔ تو وہ فضل شروع ہو جاتا
ہے دنیا سے اور وہی فضل چلتا ہے
اخیر تک۔ دنیا میں وہ فضل عمل
کراتا ہے اور آخرت میں وہی
فضل نجات دلائے گا

اور شہر میں بالکل آمد و رفت نہیں ہے انہیں بڑی حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا تجارتی شہر ہے کروڑوں کا بیوپار ہے اس میں اور دروازے بند ہیں انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی یہ شہر کے دروازے کیوں بند ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ صاحب! بادشاہ کا بازگم ہو گیا ہے۔ اس لئے بادشاہ نے کہا ہے کہ شہر کے دروازے بند کر دو کہ کہیں باہر نہ جاسکے اور پھر ڈھونڈتے پھریں۔ بزرگ بڑی حیرت میں رہ گئے کہ بادشاہ بے وقوف ہے کہ ایک پرندے کے لئے

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک کے کچھ درجات ہیں کچھ نعمتیں دولت مندوں کو بھی ملیں گی اور کچھ مفلسوں کو بھی ملیں گی یعنی مفلس مایوس نہ ہوں کہ ہمیں کچھ ملا ہی نہیں بلکہ ان کے بڑھنے کی دوسری چیزیں ان کو دے دی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صدقات و خیرات کے فضائل بیان فرما کر دولت مندوں کے فضائل بیان فرمائے کہ صدقات دیں گے، زکوٰۃ دیں گے، دین کا کام ان سے چلے گا، وہ بہت دین کا کام کریں گے ان کا مال آخرت کا ذریعہ بنے گا، درجات کمائیں گے۔ ان فضائلوں سے مفلسوں کا دل ٹوٹنے لگا کہ بھائی یہ تو نگر بڑے اچھے رہے کہ دنیا میں بھی مزے کی زندگی گزاری اور آخرت میں بھی ان کے درجات بلند ہیں اور ہم نے دنیا میں بھی مصیبت جھیلی اور آخرت میں بھی ہمارے لئے کچھ نہیں یہ مالدار لوگ بڑھ گئے اور ہم رہ گئے۔ تو یہ گروہ مفلسین حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ”سَبَقَ الْمُفْتِرِضُونَ“ یہ مالدار تو جیت گئے ہم سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ مالدار اپنی دولت کا حساب دیتے رہ جائیں اور تم پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہو، انہوں نے کہا بس یا رسول اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں دولت نہیں چاہیے۔ تو بہت سی دولتیں مفلسوں کو بھی دی گئی ہیں یہ بات نہیں کہ تو نگروں کو ہی نعمتیں دی گئی ہیں نہیں بلکہ سب کو دی گئی ہیں کسی کو یہاں دی گئی ہیں کسی کو وہاں۔ کیا گیا سب کو برابر۔ یہ مالک کی حکمت ہے کہ کسی کو یہاں بڑھا دیا مگر فیضان سب کے اوپر عام ہے اگر کسی کی ظاہری دولت بڑھادی تو کسی کی

کو حکم ہے کہ تو کسی دولت مند کی دولت پر نگاہ مت کر
صرف میرے اوپر نگاہ رکھ اور صبر اختیار کر میں نے
نہیں تھا محض اپنے فضل و کرم سے دیا ہے اور اسے
اگر نہیں دیا ہے تو کوئی ظلم نہیں ہے وہ عدل ہے جس

اس غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جائیو کہ جب عمل سے کچھ نہیں ہوگا صرف فضل سے ہوگا تو یہ محنت کی
کیا ضرورت ہے، کہ پانچ وقت چلو مسجد میں جہاں اذان ہوئی کہ بس چلو نماز پڑھنے، یہ تمام کام
چھوڑ دینا چاہیے۔ فضل ہوگا تو نجات ہو جائے گی فضل نہیں ہوگا تو نجات نہیں ہوگی

کی وجہ سے نہیں دیا ہے۔ دونوں ان شاء اللہ
کامیاب ہیں باقی جسے جو بھی ملتا ہے وہ ملتا ہے فضل
خداوندی سے کسی کا کوئی حق اللہ کے اوپر نہیں کہ وہ
مجبور کرے بھلا اللہ تعالیٰ پر کس کا جبر چل سکتا ہے۔
احادیث میں بنی اسرائیل کے ایک عابد و زاہد شخص کا
واقعہ ہے کہ اس کا کاروبار تھا بیوی بچے بھی تھے لیکن
اس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں الجھا رہتا تھا ایک دن
ساری دولت بیوی بچوں کے نام کر کے سب چھوڑ
چھاڑ کر سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا (ان مذاہب میں
رہبانیت جائز تھی) وہیں ایک جھونپڑی بنا کر اللہ
تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہنے لگا حق تعالیٰ نے اپنے
فضل سے وہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا
اور ایک انار کا درخت لگا دیا۔ وہ عابد روزانہ ایک
انار کھاتا اور ایک کٹورہ پانی پیتا باقی ہر وقت عبادت
میں لگا رہتا اسی شان سے پانچ سو برس گزر گئے اور
اس کے انتقال کا وقت آیا اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا
میری خواہش ہے کہ مجھے سجدے کی حالت میں
موت آئے تاکہ میرا خاتمہ عبادت پر ہو اور تا
قیامت میں سجدے کی حالت میں صحیح سالم
پڑا رہوں کیڑے مکوڑے نہ کھائیں تاکہ قیامت تک
میں تیرا عبادت گزار بندہ شمار کیا جاؤں۔ اللہ نے
اسکی دونوں دعائیں قبول کر لی۔ جب روز قیامت
اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے اے میرے بندے میرے

کتنی دولت تیرے لئے جمع کر رکھی ہے تجھے معلوم
نہیں ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے وہ دولت
عنقریب ملنے والی ہے۔ حدیث صحیح میں موجود ہے
کہ اگر کوئی شخص دعا مانگتا ہے کہ اللہ مجھے رزق
دیدے، مجھے دولت دیدے۔ فاقے اتر رہے ہیں
اور حال یہ ہے کہ دعا پوری نہیں ہوتی ہے، مہینے
گزر گئے، برس گزر گئے، حتیٰ کہ عمر گزر گئی۔ اب اس
نے کہا کہ کچھ بھی میری قسمت میں نہیں ہے۔ مانگتے
مانگتے تھک گیا نہیں ملا۔ قیامت میں جب میدان
محشر میں پہنچے گا تو دیکھے گا کہ اجر و ثواب کے ڈھیر
کے ڈھیر بھرے ہوئے ہیں، ہزاروں لاکھوں کو وہ
نعمتیں نہیں جو اس کے لئے جمع ہیں۔ عرض کرے گا
کہ اے اللہ یہ کہاں سے آئی ہیں میں نے تو کوئی عمل
نہیں کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تو دعائیں
نہیں مانگا کرتا تھا؟ اس دعا کو ہم نے پالا پرورش کیا
بڑھایا۔ یہ تیری ان دعاؤں کے ثمرات ہیں۔ وہاں
دنیا میں اگر دیدیتے تو آپے سے باہر ہو جاتا۔ اس
لئے ہم نے دعا کو ذخیرہ کیا۔ اب تو ابدی طور پر عیش
و آرام کر تیرے لئے انتہائی درجات ہیں۔ تو غریب
کے لئے موقع مایوسی کا نہیں اور امیر کے لئے موقع
کفر ان نعمت کا نہیں اس پر شکر واجب ہے اُس پر صبر
واجب ہے اور دونوں کے اوپر اعتماد علی اللہ واجب
ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے تو میرا کوئی حق

تو بہر حال دولت دنیا بھی ایک نعمت ہے اور دولت
دین اس سے بڑھ کر نعمت ہے اور اگر دونوں جمع ہو
جائیں تو سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ دونوں
کے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ مالدار کی کے اندر آدمی
غرور میں نہ پڑے اور ہر وقت شکر گزار رہے اپنے
پروردگار کا اس لئے کہ جو کچھ اسے ملا ہے وہ اس کا
حق نہیں تھا بلکہ محض عطاء خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ
کے اوپر کسی کا حق نہیں جب فضل سے ملے تو شکر
واجب ہوتا ہے لہذا ملنے پر شکر ادا کرے اور جس کو
مفلسی دی ہے وہ عدل سے دی ہے گویا حکمت
والصاف کا یہی تقاضا تھا کہ اس کو اس حالت میں
رکھا جائے تاکہ وہ صبر کرے کیونکہ دونوں ہی راستے
جنت کی طرف جاتے ہیں صبر اپنے راستے سے
جنت میں پہنچائے گا اور شکر اپنے راستے سے جنت
کی طرف لے جائے گا۔ ہیں دونوں کامیاب اور
ناجی اور محبوب خداوندی شاکر بھی ہے اور صابر بھی۔
فرق نحو میں اکثم نامی ایک بڑے امام گزرے ہیں جو
انتہائی درجہ بد صورت تھے۔ رنگ بے حد کالا، دانت
چوڑے آنکھیں نہایت چھوٹی اور کجی۔ غرض جتنی
بد صورتی کی علامتیں ہو سکتی ہیں ان میں جمع تھیں ان
کی شادی ایک ایسی عورت سے ہوئی کہ دور دور اس
کی نظیر نہیں ملتی تھی جب دونوں آمنے سامنے بیٹھے تو
ایسا معلوم ہوتا جیسے دھوپ چھاؤں، نور و ظلمت۔ تو
آمنے سامنے بیٹھ کر بیوی سے کہتے کہ میں بھی جنتی تو
بھی جنتی۔ بیوی پوچھتی تو کہتے میں تیری جیسی حسین
و جمیل بیوی کے ملنے پر رات دن شکر کرتا ہوں اور تو
اس لئے کہ مجھ جیسا بد صورت خاوند ملا تو اس پر صبر
کرتی ہے تو میں شکر کے ذریعے جنت جاؤں گا اور تو
صبر کے ذریعے جنت جائے گی۔ تو غریب اور مفلس

فضل سے جنت میں جاؤ کہے گا کہ میری ہزار ہا سالوں کی عبادت کس کام آئے گی؟ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے جہنم سے ۵۰۰ سال کی دوری پر لے جائیں گے اسے پیاس لگے گی اور اپنے ۵۰۰ سال کی عبادت کے بدلے ایک کٹورہ پانی پی لے گا۔ اب اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے تیرے پاس تو کچھ رہا نہیں اب میں نے جو تجھے نعمتیں دی تھیں اس کا حساب دے۔ اب وہ کہے گا یارب تو اپنے فضل سے ہی جنت دیدے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنا فضل، توفیق، ارادہ، طاقت، نہیں دیتے ہم کچھ نہیں کر سکتے یہ سب اللہ کا فضل ہی ہے۔ کسی امیر کے یہاں ایک آدمی ملازم تھا۔ بوڑھا تھا مگر بڑا نمازی اور پکا دین دار جب نماز کا وقت ہوتا تو سب کام چھوڑ کر مسجد میں پہنچ جاتا اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتا وہ امیر ایک دن اس نوکر کو اپنے ساتھ بازار لے گئے کچھ سامان خریدا اور اس کو پکڑا دیا کہ تو چل لیکر۔ راستے میں مغرب کی اذان ہو گئی اس نے کہا کہ صاحب! مجھے نماز پڑھنی ہے اور ان امیر صاحب کی یہ حالت تھی کہ کبھی بھول کر بھی انہوں نے سجدہ نہیں کیا تھا یعنی وہ نمازی نہیں تھے اور ہمیشہ اس نوکر پر جملے کتے تھے کہ کبخت جب دیکھو نماز جب دیکھو نماز، یہی اس کا کام رہ گیا ہے تو نماز کے وقت اس ملازم نے کہا صاحب! اب میں نماز پڑھنے جاتا ہوں اس نے پھر عادت کے مطابق وہی الفاظ دہرائے کہ جب دیکھو نماز جب دیکھو نماز، یہ بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ اپنی حرکت سے باز نہیں آتا جا جلدی سے نماز پڑھ کر آ۔ وہ گیا فرض نماز پڑھی وہ امیر صاحب باہر مسجد کے دروازے پر بیڑھیوں پر کھڑے ہو گئے انتظار میں کہ نماز پڑھ کر آئیگا۔ اُس

نے فرض سے فارغ ہو کر سنتیں وغیرہ شروع کر دیں، اس نے سوچا کہ اب آئیگا اُس نے سنتوں کے بعد صلوٰۃ الاوابین شروع کر دیں جب دو رکعت پڑھ لی تو اس نے پکار کر کہا آتا کیوں نہیں؟ جواب دیا کہ آنے نہیں دیتے اور یہ کہہ کر پھر نیت باندھ لی اب یہ غصہ میں بھن رہا ہے جب اُس نے سلام پھیرا تو پھر کہا کہ کبخت آتا کیوں نہیں اُس نے پھر کہا کہ جی آنے نہیں دیتے اور یہ کہہ کر پھر نیت باندھ لی اب وہ امیر غصہ میں کھڑے ہوئے ہیں اور لال پیلے ہو رہے ہیں جب چھ رکعتیں پڑھ چکا اور انہوں نے پکارا کہ ابے جلدی آ، اُس نے پھر کہا کہ جی! آنے نہیں دیتے انہوں نے کہا ابے کون نہیں آنے دیتا ہے جواب دیا کہ جی! جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھے مسجد سے باہر نہیں آنے دیتا ہے آپ پر پابندی عائد کر دی ہے اور مجھے بلا لیا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ عبادت ہم نہیں کرتے بلکہ وہ کراتے ہیں ہم سے۔ یہ ہمارا خیال غلط ہے کہ ہم عبادت کر رہے ہیں وہ اگر قبول نہ کرے تو آدمی ایک سجدہ بھی نہیں کر سکتا ہے۔ تو یہ صرف فضل خداوندی ہے تو اس لئے نجات جو ہوگی وہ ہمارے عمل سے نہیں ہوگی وہ ہوگی فضل خداوندی سے عمل صرف معین ہوگا۔ نجات صرف فضل سے ہوگی عمل سے نہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا امی عائشہ صدیقہؓ کو خطاب کرتے ہوئے ”لَنْ يُسَجِّحَ أَحَدُكُمْ عَمَلَهُ“ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل نجات دلائے گا۔ امی عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا ”وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ کو بھی آپ کا عمل نجات نہیں دلائے گا؟ نبی کا عمل اتنا کہ ساری امت کی

ہزاروں عبادتوں سے بڑھ کر نبی کا ایک سجدہ ہے اسی لئے امی صدیقہؓ نے عرض کیا مگر آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ”إِلَّا أَنْ يَتَعَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَتِهِ“ مجھے بھی میرا عمل نجات نہیں دلائے گا جب تک کہ فضل خداوندی شامل نہ ہو۔ مگر بھائیو!! اس غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جاؤ کہ جب عمل سے کچھ نہیں ہوگا صرف فضل سے ہوگا تو یہ محنت کی کیا ضرورت ہے، کہ پانچ وقت چلو مسجد میں جہاں اذان ہوئی کہ بس چلو نماز پڑھنے، یہ تمام کام چھوڑ دینا چاہیے۔ فضل ہوگا تو نجات ہو جائے گی فضل نہیں ہوگا تو نجات نہیں ہوگی۔ یہ بیشک صحیح ہے کہ فضل ہوگا تو نجات ہو جائے گی ورنہ نہیں مگر اس کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ عمل کو چھوڑ دینا چاہیے وہ بیکار ہے، نہیں! بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا عمل کرنا علامت ہے فضل کی۔ فضل ہے جب ہی تو آپ عمل کر رہے ہیں اگر فضل نہ ہوتا تو آپ کہاں سے عمل کرتے۔ تو وہ فضل شروع ہو جاتا ہے دنیا سے اور وہی فضل چلتا ہے اخیر تک۔ دنیا میں وہ فضل عمل کراتا ہے اور آخرت میں وہی فضل نجات دلائے گا تو یہ کہنا کہ نجات کا مدار فضل پر ہے تو کیا ضرورت ہے عمل کرنے کی یہ درست نہیں اس لئے کہ وہی علامت ہے فضل کی۔ اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے رہے ہیں وہ طاعت میں ہے عبادت میں ہے تو یہ سب فضل ہی فضل ہے۔ اس وقت عمل کی صورت میں ہے اور آخرت میں نجات کی صورت میں آجائے گی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمل چھوڑ کر بیٹھ جانا چاہیے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے، خاتمہ بالخیر فرمائے اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔۔

یہ منحوس آواز ہیں



موبائل کے ذریعے معاشرے میں جو فحاشی اور مساجد کی بے حرمتی کی وبا عام ہو رہی ہے اس کے متعلق ایک فکر انگیز تحریر:

گانے بجانے کی کثرت کو قیامت کی علامت بتایا ہے۔ آج سے بڑھ کر موسیقی کی کثرت کیا ہوگی کہ ہماری مساجد اور مجالس وعظ بھی اس منحوس آواز سے گونجنے لگی ہیں اور اب تو یہ دبا حرمین شریفین میں بھی عام ہو چکی ہے وہ مقدس ترین مقامات جہاں جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ سانس بھی ادب سے لیا کرتے تھے مگر یہ شیطانی آوازیں وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں اور جا بجا گونجتی سنائی دیتی ہیں۔ آقائے نامدار علیہ السلام نے تو آلات موسیقی کی توڑ پھوڑ کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے اور امتی کا حال یہ ہے کہ دل سے اس کی نفرت نکل گئی اس گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ گناہ کا آخری اور مہلک ترین درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ تو کرے لیکن گناہ کو گناہ ہی نہ

فرمایا ”مجھے آلات موسیقی توڑنے کے لیے بھیجا گیا“ یہی وجہ ہے کہ موسیقی کی آواز کو سرور کائنات ﷺ نے ملعون آواز قرار دیا ہے۔ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے ایک خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز، دوسری مصیبت کے موقع پر آہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرنے کی آواز“ آپ ﷺ موسیقی سے اس قدر احتیاط فرماتے تھے کہ ایک موقع پر ان گھنٹیوں کو نکال ڈالنے کا حکم فرمایا جو جانوروں کے گلے میں بندھی تھیں اور فرمایا کہ فرشتے ایسی جماعت کے ساتھ نہیں رہتے جس میں گھنٹی ہو۔ متعدد روایات میں آپ ﷺ شراب نوشی، قتل و غارت گری، رقص و سرور اور

آج کل موبائل فون جس طرح عام ہوئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ موسیقی کی گھنٹیاں بھی ہر عام و خاص جگہ میں پھیلی جا رہی ہیں۔ گھروں، بازاروں کو چھوڑیے بارہا ایسی مساجد میں نماز پڑھنے کا ایسی مجالس وعظ میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا جہاں دائیں سے بائیں موبائل فون کی میوزک والی گھنٹیاں بجتی رہیں۔ پردہ سماعت سے ٹکراتے ہی توجہ بٹ گئی، ذہن منتشر ہو گیا۔ عبادت کی یکسوئی ختم ہو کر رہ گئی۔ یہ تو ہمارا حال تھا جس کی جیب میں یہ میوزک بج رہا تھا اس کا حال کیا ہوا گا؟ بعض اوقات یہ شیطانی آوازیں کئی نمازیوں کی نماز خراب کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں کہ عام طور پر یہ موسیقی کی دھنوں اور میوزک پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جبکہ رسول کریم ﷺ نے

بقیہ: بندہ مومن کا اخلاق

کہ نبی کریم ﷺ گدھے پر سواری کر لیا لرتے تھے، اون کا کپڑا پہن لیتے، بکریوں کو خود باندھ لیتے تھے، مہمانوں کی خدمت خود کرتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی بندہ نہیں دیکھا جو اپنے عیال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ شفیق ہو۔ آپ ﷺ جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو انکو سلام کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بچوں کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ خوش طبعی کرنے والے تھے۔ (دلائل النبوة)۔ حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک دن کہیں جا رہے تھے وہاں چند بچے کھیل رہے تھے سارے بچوں نے آکر آپ کے ساتھ ہاتھ ملایا ایک بچہ کچھ مصروف تھا اس نے کہا مولانا مجھ سے ملے بغیر جائیں گے انہیں! اس بچے کو آتے ہوئے دیر ہو گئی مولانا اس کے انتظار میں رکے رہے کچھ دیر بعد وہ بچہ آیا اور آپ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ لوگوں نے کہا مولانا آپ نے بھی ایک بچے کے لئے اپنا قیمتی وقت ضائع کیا۔ مولانا صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ اگر آپ ﷺ ہوتے تو ایسا ہی کرتے۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا ہی ثمرہ ہے کہ جہاں صحابہ کرام رضون اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں اعلیٰ اخلاق پائے جاتے تھے وہیں اکابرین سلف صالحین رحمہم اللہ بھی اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر تھے، اخلاق کا نمونہ دیکھتے تھے۔ (جاری ہے)

ہونے کے واقعات ہوں گے۔ پوچھا گیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ایسا کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب آلات موسیقی کا رواج عام ہو جائے گا۔“ احادیث مبارکہ کی روشنی میں چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری دنیا پر دین کا رنگ اس طرح غالب آ جاتا کہ ہمارے گھر، کاروبار، تجارت، معاشرت اور معیشت سب کے سب تعلیمات محمدیہ ﷺ کے نور سے منور ہوتے لیکن بد قسمتی سے ہمارے دین پر دنیا کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ ہمارے سیاست اور تجارت کے ایوانوں میں تو کیا ایمان کی گونج سنائی دیتی اب تو ہمارے ایوان عبادت میں شیطانی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ نجانے ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ لہذا اتمام درد مند مسلمانوں سے التماس ہے کہ۔۔۔ خدا را! اپنے موبائل فون پر عام اور سادہ گھنٹی لگائیے جو آپ کو صرف فون آنے کی اطلاع دے نہ کہ گانوں اور نغموں کی طرف متوجہ کرے کیونکہ گانا بجانا اور سننا حرام ہے مساجد اور مجالس وعظ میں داخل ہوتے وقت اپنے موبائل فون کی گھنٹی بند کر دیجئے کیونکہ یہ گھنٹیاں نمازی کے لیے نماز میں خلل اور گناہ کا باعث بنتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

آئیے ہم اور آپ ﷺ مل کر عہد کریں کہ حضور اقدس ﷺ کے امتی ہونے اور ایک درد مند مسلمان ہونے کا ناطے ہم اپنے کسی عمل کے ذریعے حضور ﷺ کی تکلیف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث نہیں بنیں گے۔

سمجھئے۔ ایسے شخص کو اکثر توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے توبہ اسی وقت کرے گا جب اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتا ہو اور جب اپنے آپ کو گناہ گار ہی نہیں سمجھتا تو پھر توبہ کیسی اور کس چیز کی؟ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے مسلمانوں کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ کسی ہندو میں بھی یہ جرأت نہیں تھی کہ مسلمانوں کی مساجد کے باہر سے کوئی جلوس یا بارات باجے بجاتے ہوئے لے کر گزرے۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ باہر نہیں بلکہ مساجد کے اندر موبائل فون کے ذریعے میوزک بھی بجاتا رہتا ہے اور موسیقی کی دھنیں بھی نشر ہوتی رہتی ہیں مگر کسی کو اعتراض کی جرأت اس لیے نہیں کیونکہ سب ہی اس گناہ میں کسی حد تک ملوث ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ آخر زمانے میں اس امت کے کچھ لوگوں کی شکلوں کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنادیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ لوگ اس کی گواہی نہیں دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں بلکہ وہ روزے بھی رکھتے ہوں گے اور نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے اور حج بھی کرتے ہوں گے۔“ کہا گیا کہ آخر پھر ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کی وجہ کیا ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ گانے بجانے کے آلات اپنائیں گے۔“ سیدنا عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس امت میں بھی دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش

ایک محبہ دوز جوان

میری والدہ نے مجھے قسم کھلائی ہے کہ میں زندہ واپس نہ لوٹ آؤں۔ والدہ نے فرمایا ہے کہ اے بیٹے! جب کفار سے مڈبھیڑ ہو تو

تم پشت نہ دکھانا۔ اپنی جان اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے پڑوس اور پھر اپنے والد کے پڑوس کی دعا مانگنا

مدینہ منورہ میں ایک شخص تھے جو ابو قدامہ کے نام سے مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں جہاد کی محنت خوب ڈال رکھی تھی۔ چنانچہ وہ اکثر وہ بیشتر رومیوں سے لڑنے اور جہاد کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مسجد نبوی میں بیٹھے لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ واقعات جہاد میں سے جو سب سے تعجب انگیز واقعہ آپ نے دیکھا ہو وہ ہمیں سنا دیجئے۔ شیخ ابو قدامہ نے فرمایا کی سنو! میرا ایک دفعہ ”رقہ“ جانا ہوا تاکہ میں ایک اونٹ خرید لوں جو ہمارے اسلحہ کے اٹھانے اور لے جانے کے کام آئے، چنانچہ میں ایک دن دریائے فرات کے قریب کے قریب رقعہ نامی شہر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ اے ابو قدامہ میں نے آپ کے متعلق سنا ہے کہ آپ جہاد پر وعظ کہتے ہیں اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہیں، میں ایک ایسی عورت ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لمبے لمبے بالوں سے نوازا ہے۔ میں نے اپنے اکھڑے

ہوئے بالوں سے ایک رسی بٹ لی ہے اور اس پر میں نے مٹی مل لی ہے تاکہ بالوں کی بے پردگی نہ ہو۔ آپ اس رسی کو لیجئے اور جب دشمن کی سرزمین پر پہنچ جائیں اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو جائے۔ تلواریں نکلانے لگیں، تیر پھینکنے جانے لگیں، اور نیزے سانپوں کی طرح باہر نکل آئیں تو آپ اس رسی کو اپنے جہادی گھوڑے کے گلے میں ڈال دیں اور اس سے جہاد کریں اگر آپ کو ضرورت نہ پڑے تو کسی ضرورت مند مجاہد کو دیجئے میں اس عمل سے یہ چاہتی ہوں کہ میدان جہاد کا گرد و غبار میرے بالوں کو لگ جائے۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں میرے شوہر جہاد میں شہید ہو چکے ہیں اور میرا کنبہ جہاد میں شہید ہو گیا ہے اگر مجھ پر جہاد فرض ہوتا تو میں خود چلی جاتی لہذا میری جگہ آپ ان بالوں کو جہاد میں استعمال کریں۔ پھر اس عورت نے کہا اے ابو قدامہ یہ بات بھی سن لو جب میرا شوہر شہید ہو گیا تھا تو اس نے اپنے پیچھے ایک خوب صورت لڑکا چھوڑا تھا اس لڑکے نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے اور جہادی

تربیت کر کے گھڑسواری میں خوب مہارت حاصل کر لی ہے، نیزہ تیر اندازی میں غضب کا ماہر ہے۔ وہ رات بھر تہجد پڑھتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ اس وقت وہ خوب جوان ہے اور اس کی عمر پندرہ سال ہے آج کل وہ زمینوں میں کام کے لیے گیا ہوا ہے۔ جب وہ واپس آ جائے گا اور آپ یہاں موجود ہوں گے تو میں اس جوان سالہ بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے راستے جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بطور ”قربانی“ پیش کروں گی۔ میں آپ کو دین اسلام کی عظمت و عزت کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ مجھے اس ثواب سے محروم نہ کیجئے گا۔ میں نے اس عورت سے وہ بیٹی ہوئی رسی لے لی تو دیکھا کہ وہ سر کے بالوں سے بنی ہوئی تھی اُس نے کہا کہ آپ میرے سامنے اس رسی کو اپنے سامان میں محفوظ کر کے رکھیں تاکہ مجھے تسلی ہو جائے۔ میں نے رسی کو محفوظ کر کے رکھا اور ”رقہ“ سے اپنے ساتھیوں سمیت نکلنے لگا۔ جب ہم مسلمہ بن عبد الملک کے قلعہ کے پاس پہنچے تو پیچھے سے ایک شہسوار کی چیخ

فرمائیے۔ شیخ ابو قدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اس لڑکے کی گفتگو سنی تو میں بہت رویا خاص کر اس وجہ سے کہ نو عمر اور نہایت خوبصورت نوجوان تھا اور اس وجہ سے بھی کہ اس کی والدہ کے دل پر کیا گزرے گی اور اس کے صبر پر رویا۔ اس لڑکے نے کہا اے چچا جان! آپ کیوں روتے ہیں؟ اگر میری صغریٰ پر رورہے ہیں تو یاد رکھیے کہ مجھ سے چھوٹوں کو بھی اللہ تعالیٰ نافرمانی پر عذاب دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ تیری والدہ کی وجہ رونا آتا ہے کہ وہ بیچاری تیرے بعد کیا کرے گی۔ خیر! ہم آگے بڑھتے گئے رات کو سفر مکمل ہوا اور صبح روشن ہو گئی، لڑکا مسلسل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا ہوا تھا۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو یہ لڑکا سب سے زیادہ گھڑسواری میں ماہر تھا، اور سب سے زیادہ خدمت گزار بھی تھا۔ جتنا ہم دشمن کے قریب ہوتے جاتے یہ لڑکا اتنا ہی چست بنتا جاتا تھا دوسرے روز دن بھر سفر ہوا اور غروب آفتاب کے وقت ہم کفار کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ہم نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا ہم سب روزے سے تھے۔ چنانچہ اس نوجوان لڑکے نے ہماری افطاری کا انتظام کیا وہ افطاری کی تیاری میں لگا تھا کہ نیند غالب آئی اور وہ سو گیا۔ سوتے میں ہم نے دیکھا کہ وہ نوجوان مسکرا رہا ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ بھائیو! ذرا دیکھو یہ نوجوان کیسے مسکرا رہا ہے۔ جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو میں نے اس سے پوچھا کہ پیارے بیٹے! ہم نے آپ کو ابھی ابھی ہنتے ہوئے دیکھا ہے ذرا بتائیے کیا وجہ تھی تم نیند میں کیسے ہنس رہے تھے؟ نوجوان نے کہا کہ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا تھا اس کی وجہ سے میں ہنسنے لگا تھا۔ خواب یہ کہ میں

میرے علاقے میں میرے جیسا کوئی نہیں۔ لہذا آپ مجھے چھوٹا سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ میری والدہ نے مجھے قسم کھلائی ہے کہ میں زندہ واپس نہ لوٹ آؤں۔ والدہ نے فرمایا ہے کہ اے بیٹے! جب کفار سے ٹکھڑ ہو تو تم پشت نہ دکھانا۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے پڑوس اور پھر اپنے والد کے پڑوس کی دعا مانگنا۔ جب اللہ

اے چچا جان! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس لوٹا دیا تو میرے یہ خون آلودہ کپڑے میری مسکین اور غمگین والدہ تک پہنچا دیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں نے ان کی وصیت کو پورا کر دیا ہے اور مشرکین کے مقابلے میں کسی بزدلی سے کام نہیں لیا۔ آپ ان کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی کو قبول کر لیا۔

تعالیٰ نے تم کو شہادت نصیب کی تو تم میری شفاعت بھی کرنا کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہید اپنے خاندان کے ستر آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ یہ کہہ کر امی جان نے مجھے سینے سے لگایا اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر اس طرح دعا مانگی اے میرے مولا! اے میرے آقا! یہ میرا بیٹا ہے، میرے دل کا پھل اور میرے جسم کا پھول ہے میں نے اس کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے اس کو قبول

کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا اے ابو قدامہ خدا کے لیے ذرا رک جائیے۔ ہم رک گئے جب ہم نے دیکھا تو ایک شہسوار گھوڑے کو کداتا ہوا آ رہا ہے۔ آتے ہی اس نے مجھ سے معافہ کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کی رفاقت سے محروم نہیں کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ پیارے بیٹے! آپ ذرا چہرہ تو دکھا دیجئے تاکہ میں دیکھوں اگر آپ پر جہاد لازم اور فرض ہو تو میں آپ کو اجازت دے دوں گا ورنہ میں آپ کو واپس کر دوں گا۔ جب اس نے چہرہ ظاہر کیا تو چودھویں کے چاند کی طرح ایک خوبصورت ناز پرودہ نو عمر جوان تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بیٹے! آپ کا والد زندہ ہے؟ اس نے کہا نہیں وہ شہید ہو چکے ہیں، اور اسی کا بدلہ لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔ میں نے کہا کیا آپ کی والدہ زندہ ہیں؟ تو کہنے لگا ہاں والدہ حیات ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ جا کر اپنی والدہ سے اجازت لے لو اگر اس نے اجازت دے دی تو ٹھیک ورنہ آپ ان کے پاس ہی رہو کیونکہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اس نوجوان نے کہا اے ابو قدامہ! کیا آپ مجھے نہیں جانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا کہ میں تو اسی عورت کا بیٹا ہوں جس نے آپ کے پاس سر کے بالوں کی رسی رکھی ہے آپ اتنی جلدی بھول گئے؟ میں ان شاء اللہ شہید ابن شہید بنوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے سے آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ جہاد میں جانے سے نہ رکھیں۔ میں کتاب اللہ کا حافظ ہوں اور سنت رسول ﷺ کا عالم ہوں میں تیر اندازی اور گھڑسواری کا اتنا ماہر ہوں کہ

ایک سرسبز و شاداب پرکشش باغیچے میں ہوں۔ میں اس میں گھوم رہا تھا اور لطف اٹھا رہا تھا اچانک میں نے وہاں ایک عالی شان محل دیکھا جو چاندی جواہرات اور موتیوں سے بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے سونے کے تھے اور ان پر سلیقے سے پردے آویزاں تھے۔ اچانک ان پردوں کو کچھ لڑکیوں نے دروازے سے ہٹایا وہ لڑکیاں چاندی طرح چمک رہی تھیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو سب نے خوش آمدید کہا میں نے خواب میں ایک کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ کہنے لگی کہ جلدی نہ کیجئے ابھی آپ کا وقت نہیں آیا۔ میں نے سنا کہ وہ آپس میں کہہ رہی تھیں کہ یہ نوجوان ”مرضیہ“ کا شوہر ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کہا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے ذرا آگے بڑھیئے۔ میں کچھ آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس محل میں ایک کمرہ ہے جو سب سے بلندی پر ہے اور خالص سونے کا بنا ہوا ہے جس میں زبرد کا بنا ہوا ایک سبز پلنگ بچھا ہوا ہے۔ اس کے پائے سفید اور چمک دار چاندی کے بنے ہوئے ہیں۔ اس پر ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کا چہرہ آفتاب عالمتاب کی طرح چمک رہا تھا اگر اللہ تعالیٰ میرنگاہوں کی حفاظت نہ کرتا تو میری نگاہیں چلی جاتی اور میری عقل سلب ہو جاتی۔ جب اس لڑکی نے مجھے دیکھا تو کہا مرحبا مرحبا! آئیے آئیے! خوش آمدید! خوش آمدید! اے اللہ تعالیٰ کے محبوب! آپ میرے لیے ہیں اور میں آپ کے لیے ہوں، میں اس کی طرف بڑھنے لگا تو کہنے لگی کہ نہیں نہیں ابھی وقت نہیں آیا۔ ہاں کل ظہر کے وقت کا وعدہ ہے۔ مبارک ہو، مبارک ہو۔ شیخ ابو قدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے سے

کہا کہ آپ نے کیا اچھا خوب دیکھا ہے۔ رات بھر ہم اس نوجوان کے اس خوب پر تعجب کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو ہم سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میدان کارزار کے لیے تیار ہوئے۔ اتنے میں کسی پکارنے والے نے پکارا۔ یا خیل اللہ ارکبی و فی الجنة ارغبی انفرؤا خفافاً و ثقلاً۔ اے اللہ تعالیٰ کے شہسوار اور اس دین کے مددگارو! سوار ہو کر چلو اور جنت کی طرف بڑھو تم ہلکے ہو یا بوجھل جلدی نکلو، جو نہی یہ آواز ختم ہوئی تو لشکر کفار نمودار ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے وہ تو نڈی دل لشکر تھا جو چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ ہم میں سب سے پہلے اس نوجوان نے لشکر کفار پر ایسا حملہ کیا کہ ان کے اندر تک گھستا چلا گیا اس نے کفار کے جھگٹے کو تتر بتر کر دیا اور بیچ میں جا کر لشکر کفار کو تھس نہس کر دیا کئی بہادروں کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا اور کئی کفار کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ میں نے جب اس لڑکے کے اس طرح تابڑ توڑ حملوں کو دیکھا تو میں اس کے پاس گیا اور اس کے گھوڑے کی لگام کو پکڑ کر کہا اے پیارے بیٹے! اب تم واپس ہو جاؤ تم نوعمر ہو جنگی چالوں کا زیادہ تجربہ بھی نہیں، اس نے کہا اے چچا جان! کیا آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی؟ یا ایہا الذین امنوا اذ القیتم الذین کفروا زحفاً فلاتو لو ہم الادبار۔ اے چچا جان کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ پیچھے مڑ کر جہنم کا حقدار بنوں؟ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ اچانک کفار نے ہم پر ایک بارگی حملہ کر دیا یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ ہر آدمی اپنی اپنی فکر میں مشغول ہو گیا اس دوران لڑکے اور میرے درمیان بھی کفار حائل ہو گئے۔ اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس

حملہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید ہو گئی جب جنگ رک گئی تو نہ زخمیوں کا حساب لگایا جاسکتا تھا اور نہ شہیدوں کا۔ میں اپنے گھوڑے سمیت شہدا کی لاشوں میں گھومنے لگا ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں اور سیلاب کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ شہدا کے چہرے خون اور غبار کی وجہ سے پہچانے نہیں جاتے تھے۔ میں گھوم رہا تھا کہ اچانک ایک کوزمین پر پڑا ہوا دیکھا جو گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچلا پڑا تھا اور اس کے چہرے اور جسم پر غبار لگا ہوا تھا اور وہ اپنے آخری سانس میں یہ کہہ رہا تھا۔ ”اے مسلمانو! خدا کے لیے میرے چچا ابو قدامہ کو بھیج دو“ میں نے جب اس کی آواز سنی تو اس کے قریب آیا دیکھا تو وہ اپنے خون کے حوض میں الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ کثرت خون اور کثرت غبار اور گھوڑوں کے کچلے جانے کی وجہ سے میں اس کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا ہاں میں ابو قدامہ ہوں، اس پر لڑکے نے کہا کہ چچا جان رب کعبہ کی قسم! خواب کی تعبیر سچی نکلی میں اس کے چہرے پر جھک گیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کے چہرے سے مٹی اور خون اپنی چادر سے صاف کرنے لگا اور کہا کہ اے پیارے بیٹے! مجھے اپنی شفاعت میں قیامت کے روز نہ بھولنا۔ نوجوان نے کہا کہ آپ جیسے محسن کو بھلایا نہیں جاسکتا، آپ اپنی چادر سے میرے خون کو کیوں پونچھتے ہیں؟ میرا اپنا کپڑا زیادہ مناسب ہے کہ اس سے میرا خون پونچھا جائے پھر اس نوجوان نے کہا کہ اے چچا جان! یہ خون چھوڑ دیجئے کہ میں اپنے رب کے ساتھ اسی خون میں ملاقات کروں گا۔ خواب میں جس کو میں نے دیکھا تھا وہ سامنے کھڑی ہے اور میری روح نکلنے

بقیہ: روہنگی مسلمانوں کی حالت زار

برما میں مسلمانوں میں خون سے کھیلی جانے والی ہولی ہی سب سے سنگین جرم قرار دیا جا رہا ہے۔ زندہ انسانوں کو پکڑ کر آگ کے الاؤ میں پھینکنا، خواتین اور بچوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ دریاؤں میں کود جانے پر مجبور کرنا، اجتماعی قبروں میں زندہ درگور کرنا اور زخموں سے چور تڑپتے لاشوں پر رقص کرنا کسی بھی مہذب دنیا یا تہذیب میں روا نہیں ہو سکتا، لیکن برما میں مسلمانوں کے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ انسانی حقوق کی بدترین صورت ماضی میں بھی کبھی تسلی بخش نہیں رہی لیکن جو کھیل اب جاری ہے، اس کی مثال بھی کہیں اور نہیں ملتی۔ برما میں انسانی اسمگلنگ کے منظم گروہ کام کر رہے ہیں اور مسلمان، بالخصوص نابالغ بچے ان کا سب سے آسان شکار ہیں۔ وحشی صفت لوگ مسلمانوں کے گھروں پر بلہ بولتے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو یرغمال بنا لیتے ہیں۔ بعد ازاں انہیں مرضی کی قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ مسلمان بچوں کی خرید و فروخت کے باقاعدہ اڈے کام کر رہے ہیں۔ بعض اوقات ایک مسلمان بچے کو ایک تھیلا چاول یا ڈیزل کے ایک گیلن کے عوض ساج دشمن گروپوں کو فروخت کیا جاتا ہے۔ یہ مکروہ دھند اسر عام جاری ہے اور عالمی ادارے اس کی روک تھام میں مکمل طور پر ناکام ہیں، شاید اس لیے بھی کہ مظلوم قوم کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ ویسے بھی دنیا بھر میں مسلمان ہی اس نوعیت کے مظالم سہتے چلے آ رہے ہیں۔ فلسطین، کشمیر، چین، سکلیانگ اور روہنگیا کے مسلمانوں کی ایک ہی جیسی داستان الم ہے۔ ہر طرف مسلمانوں کا خون ارزاں ہے۔ کشمیر میں ۹۰ ہزار لوگ لاپتہ ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ فلسطین میں اسرائیل نے ایک ماہ میں ۲۲۰۰ معصوم شہری شہید کر دیے لیکن عالمی برادری شاباش اسرائیل ہی کو دے رہی ہے۔ لیکن برما نے جنگی جرائم میں صہیونی ریاست کو بھی مات دے دی ہے۔

بچی کی طرف بڑھا تو وہ کہنے لگی کہ چچا جان! آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے کہا کہ جہاد سے لوٹ کر آیا ہوں وہ کہنے لگی کہ میرا بھائی لوٹ کر نہیں آیا؟ یہ کہہ کر وہ چیخ اٹھی اور کہا کہ سب لوگ آگئے میرا پیارا بھائی کیوں نہیں آیا۔ میں نے اس بچی کے رونے کو قابو کیا اور اس بچی سے کہا کہ اپنی امی جان کو جا کر کہہ دو کہ دروازہ پر ابو قدامہ آیا ہے ان سے بات کرو میری گفتگو کو اس خاتون نے سن لیا تو وہ فوراً باہر آئی اور اس کے چہرہ کا رنگ فنی ہو گیا تھا۔ میں نے سلام کیا اس نے جواب دیا اور کہا اے ابو قدامہ! یہ بتائیے کہ خوشخبری لیکر ہمارے پاس آئے ہیں یا غم کی خبر لے کر آئے ہیں؟ میں نے کہا پہلے خوشخبری اور غم کی خبر کی وضاحت کریں تو اس نے کہا اگر میرا بیٹا صحیح سالم واپس آ گیا ہے تو یہ غم کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت سے نوازا ہے تو یہ خوشی کی خبر ہوگی۔ میں نے کہا مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تیرا ہدیہ اور قربانی کو قبول کر لیا ہے۔ اور تیرا بیٹا شہید ہو چکا ہے۔ کہنے لگی کیا اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا؟ میں نے کہا ہاں قبول کر لیا۔ کہنے لگی شکر الحمد للہ! یہ میرا آخرت کا سرمایہ بن گیا ہے۔ پھر میں نے اس نوجوان کا پیغام اس کی بہن تک پہنچایا کہ سلامت رہو، بہن خدا حافظ قیامت میں ملاقات ہو گی، لڑکی نے جب یہ پیغام سنا تو ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی، میں نے جب اس کو بلایا تو وہ مر چکی تھی میں نے لڑکے کے خون آلود کپڑے اس کی والدہ کے حوالہ کئے اور زخمی زخمی دل اس گھر سے واپس لوٹ آیا مجھے اس عورت کے صبر پر اب تک تعجب ہو رہا ہے۔

(ماخوذ از: دعوت جہاد)

کے انتظار میں ہے۔ اور مجھ کہہ رہی ہے کہ مشافہ دیدار ہوں جلدی سے میرے پاس آجائیے۔ اے چچا جان! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس لوٹا دیا تو میرے یہ خون آلودہ کپڑے میری مسکین اور غمگین والدہ تک پہنچا دیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں نے ان کی وصیت کو پورا کر دیا ہے اور مشرکین کے مقابلے میں کسی بزدلی سے کام نہیں لیا۔ آپ ان کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی کو قبول کر لیا، اے چچا جان! میری ایک چھوٹی سی بہن ہے جس کی عمر دس سال ہے میں جب بھی گھر سے باہر جاتا تو وہ مجھے رخصت کرتی اور جب بھی گھر آتا تو وہ سب سے پہلے مجھے ملتی اور سلام کرتی، اس دفعہ جب میں آ رہا تھا تو اس نے مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا کہ بھائی جان! جلدی واپس آئیے گا دیر نہ کیجئے گا، میری اس بہن سے جب آپ کی ملاقات ہو تو اس سے میرا سلام کہئے گا اور پھر یہ کہنا کہ آپ کا بھائی کہتا ہے کہ ”خدا حافظ قیامت میں ملاقات ہوگی“ یہ کہہ کر اس نوجوان نے کلمہ شہادت پڑھا اور جانِ آفرین رب العالمین کے حوالہ کر دی۔ ہم نے اس کو ان ہی کپڑوں میں دفنایا اور واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے۔ جب ہم اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ”رقہ“ پہنچے تو میں اس نوجوان کی گھرگی دیکھا تو اسی نوجوان کی طرح اس کی خوبصورت ننھی منی معصوم بہن دروازہ پر کھڑی ہے اور غزوہ سے واپس لوٹنے والوں سے پوچھ رہی ہے کہ میرے بھائی کو آپ لوگوں نے نہیں دیکھا۔ لوگ جواب دیتے کہ ہم ان کو نہیں جانتے ہیں۔ جب میں اس



تحریر: سرمد صدیقی

ہمیشہ اسلام دشمن یہود و ہندو اور نصاریٰ کو پریشان کیے رکھا۔ عالم کفر کی خواہش تھی کہ اہل پاکستان کو شریعت کے نعرے سے متنفر یا کم از کم الگ تھلک کر دیا جائے۔ فیلڈ ورک کے لیے انھوں نے دو طبقات کا انتخاب کیا۔ پہلے طبقے میں جاگیردار اور وڈیرے جو شراب و شباب کے رسیہ تھے۔ جبکہ دوسرے طبقے میں آکسفورڈ اور کیمبرج جیسی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ کٹر لبرل اور سیکولر سوچ کے حامل لوگ۔ ان دونوں گروہوں کو عملاً پاکستان کی سیاسی بساط پر پہلے سے اجارہ داری حاصل تھی۔ لیکن ہزار خواہشوں کے باوجود یہ لوگ پاکستانی عوام کو نفاذ شریعت کی خواہش سے الگ نہ کر پائے۔ انھیں ایک طوفانی پروپیگنڈا (دعوتی) مہم کی ضرورت تھی۔ جو معاشرے کی اکثریت کو کم از کم نفاذ شریعت سے خوف زدہ کر کے پہلا ہدف حاصل کر لیتا۔ ظاہر ہے اس کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی ضرورت تھی۔ اس لیے 90 کی دہائی سے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو زیادہ متحرک کیا گیا۔ اور پھر 2002 کے بعد الیکٹرانک میڈیا بارش کے بعد نکلنے والے کیڑے مکوڑوں کی طرح ظاہر ہوا۔ نفاذ اسلام مخالف مہم جوئی میں یہ تیسرے گروہ کی انٹری تھی۔ (بقیہ 53) پر

گزارش کی بجائے رعونت شعاری پر لا کھڑا کرتی ہے۔ معاشرے کے ماحول کے بگاڑنے گناہوں کی جاذبیت بڑھادی ہے اور گناہوں کے مواقع بھی بے شمار پیدا کر دیے ہیں۔ نیکی کا ماحول عقابوتا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں جب نفاذ شریعت کی بات کی جاتی ہے تو اکثریت تعذیب و سزا کا خوف محسوس کرنے لگتی ہے۔ انھیں اسلامی ماحول میں ڈھلنا مشکل دکھائی دینے لگتا ہے۔ اسلامی حدود و قیودان کے دماغ پر بھاری پن پیدا کر دیتی ہیں۔ حالانکہ بات سادہ سی ہے۔ آج کے اس غیر اسلامی ماحول نے گناہ کو آسان کیا ہے اور نیکی مشکل بنا دی ہے۔ نفاذ اسلام کا ماحول گناہ کو کرنا مشکل کر دیگا۔ نیکی بالکل آسان بن جائیگی۔ تو اس پر خوف کس بات کا ہے؟؟ جب نیک شخص کی ستائش ہوگی اور عزت و وقار حاصل ہوگا۔ نیک فرد مقام و مرتبے پر فائز نظر آئیگا۔ تو ہر مومن مسلمان بھی اسی عزت و وقار کا خواہش مند نظر آئیگا۔ نفاذ اسلام سے گناہگار تو موجود رہیں گے لیکن کم از کم بغاوت خداوندی ختم ہو جائیگی۔ پاکستان کا حصول ہی کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ہوا۔ یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت شریعت اسلامی کے نفاذ کی خواہشمند رہی ہے۔ اس عنصر نے

مسلمانوں کی اکثریت اگرچہ گناہگار ہی کیوں نہ ہو لیکن گناہوں سے اکتاہٹ محسوس کرتی ہے۔ گناہوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی بے چینی ایک باضمیر مسلمان کے ضمیر کو ضرور جھنجھوڑتی ہے۔ یہی وہ امر ہے جو ایک باغی اور گناہگار مسلمان کے فرق کو نمایاں کرتا ہے۔ ایک عام گناہگار مسلمان کے دل میں گناہ سرزد ہونے پر خوف ضرور جنم لیتا ہے۔ لیکن وہ انسانوں کی آنکھ سے چھپ کر گناہ کر لیتا ہے۔ ایک باغی مسلمان برسرِ بازار ڈنکے کی چوٹ پر سر اسر ڈھٹائی کے ساتھ خود بھی گناہ کرتا ہے، اپنے گناہوں کے گواہ بھی بناتا ہے، دوسروں کو دعوتِ گناہ بھی دیتا ہے اور ذاتِ رب ذوالجلال سے بے خوف بھی رہتا ہے۔ اسے بغاوت کہتے ہیں۔ اکثر اس درجے پر پاکستان کے سٹیک ہولڈرز حکمران طبقے کے افراد براہِ جان رہتے ہیں۔ جنکی فرعونیت انھیں بغاوت کا احساس بھی نہیں ہونے دیتی۔ دولت مند افراد، جاگیردار، صنعت کار، بڑے زمیندار، وڈیرے بھی دولت کے نشے میں اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ بغاوت اور سرکشی کو اپنی عزت و وقار کی علامت سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرز کی کم بختی غربت کے ستارے کچھ لوگوں کو بھی اللہ کی شکر



دیا ہو کہ: ”ہمارے وطن کو خطرہ درپیش ہے ہم اس کے دفاع کے لیے اٹھتے ہیں۔“ یا ”ہم مسلمانوں پر اہل فارس و اہل روم کی جارحانہ کاروائیوں کو روکنے کے لیے نکلے ہیں۔“ یا ہم ملک کے رقبہ کی توسیع چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ غنائم حاصل ہوں!!“۔۔۔ اس کے برعکس ان کا جواب وہ ہوتا تھا جو ربیع بن عامر، حذیفہ بن محسن اور مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) نے قادسیہ کی جنگ میں فارسی لشکر کے سپہ سالار رستم کو دیا تھا۔ رستم آغازِ جنگ سے تین روز پہلے تک برابر ان مجاہدین کرام سے الگ الگ یہ پوچھتا رہا کہ: کیا خواہش تمہیں یہاں لے کر آئی ہے؟ مگر ان سب کا جواب یہ تھا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم انسان کو اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف خدائے واحد کی بندگی کی طرف لائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر انھیں دنیا کی فراخی

بالفاظِ دیگر دینِ سرِ اسرار اللہ کے لیے ہوگا کسی فردِ بشر کو عقیدہ اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جہاد کے ان وجوہ و محرکات پر اگر آپ غور کریں گے تو ان کا حاصل یہ نکلے گا کہ اسلام جس غرض کے لیے جہاد کا علم بردار ہے وہ اس دنیا کے اندر انسان کو مکمل اور حقیقی آزادی ہے اور یہ آزادی تبھی مکمل ہو سکتی ہے کہ انسانوں کو انسان کی عبودیت سے نکال کر اسے خدا کی عبودیت کا ملکہ کی فضائے بسیط میں لایا جائے جو صرف ایک ہے اور اس کا کوئی سا جہی نہیں ہے۔ کیا جہاد کو برپا کرنے کے لیے صرف یہی مقصدِ عظیم کافی نہیں ہے؟

بہر حال قرآن نے جو وجوہ و مقاصد بیان کیے ہیں یہی وجوہ و مقاصد ہر وقت مسلمان مجاہدین کے پیش نظر رہتے تھے۔ ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ کسی مسلمان مجاہد سے یہ دریافت کیا گیا ہو کہ تم کس لیے جہاد پر نکل کھڑے ہوئے ہو، اور اس نے یہ جواب

جہاد کے جو وجوہ و محرکات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں وہ ہیں: دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا سکھ رداں کرنا، انسانی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظامِ حق کو قائم کرنا، تمام شیطانی طاقتوں اور شیطانی نظامہائے حیات کا قلع قمع کرنا، انسان کی آقائی ختم کرنا جو انسانوں کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑتی ہے حالانکہ انسان صرف خدا کے غلام ہیں اور سوائے اس کے کسی غلام کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے خود ساختہ اقتدار کا تابع بنائے اور ان پر اپنی اہوا و اغراض کی شریعت نافذ کرے۔ یہی وجوہ و محرکات جہاد قائم کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ اس اصول کی بھی پابندی کی جانی چاہیے کہ ”لَا تُكْرَاهُ فِي الدِّينِ“ دین میں جبر نہیں ہے۔ یعنی بندوں کے اقتدار اور الوہیت سے چھٹکارا پانے کے بعد اور اس اصول کی بالائری کے بعد کہ اقتدار صرف اللہ کا ہوگا یا

جیسا کہ ہم پہچھے بیان کر چکے ہیں دنیا میں اللہ کی حکومت کے قیام میں کئی مادی رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں ریاست کی بے پناہ طاقت، معاشرے کا نظام

بقیہ : اسلامی نظام سے غافل لوگ

یہاں بکا و مال کی کمی نہ تھی۔ لہذا شراب و شباب کے ساتھ ساتھ ڈالروں کی دھما چوڑی نے اپنا رنگ جمانا اور دکھانا شروع کیا۔ تو کئی ”ناجی“ اور کئی ”پیر زادے“ اور کئی ”امر جلیل“ جیسے سپولے سراٹھانے لگے۔ اہل صحافت میں شراب و شباب کے رسیا کب خواہش مند ہو سکتے ہیں کہ شریعت نافذ ہو اور شراب و شباب کا جنازہ نکل جائے۔ آپ پاکستان میں موجود اکثر بڑے میڈیا مالکان کے ماضی و حال کا جائزہ لیں تو ہماری رائے کی مضبوطی آپ کو نظر آنے لگے گی۔ اسی طرح کالم نگار و اینکر پرسن کے ماضی و حال کو ٹو لیں تو سائیکل سے بنگلوں تک کے انکے سفر میں ایک سے ڈیڑھ عشرہ ہی نکلے گا۔ اب بھی چند صحافی محترم اور یا مقبول جان جیسے اسلام کو ہی اپنی جان بنائے بیٹھے ہیں۔ ورنہ اکثریت دینی باتوں کو سن کر بغلیں جھانکنے لگتی ہے۔ غریب اور مزدور صحافیوں کا اب بھی کوئی پرسان حال نہیں یا متوسط صحافی بھی کچھ بچے ہوئے ہیں۔ ایک بڑی تعداد غیر ملکی سفارتخانوں سے حاصل ہونے والے ایجنڈے کو لیکر اپنے پروگرام ترتیب دیتی ہے۔ میڈیا مالکان کی اکثریت (الا ماشاء اللہ) کے مالی مفادات ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ساتھ ساتھ مغرب کی انشورنس کمپنیوں کے ساتھ لگے بندھے ہیں۔ انھیں بونس میں بھی وقتی ایشوز جو اسلام اور دین مخالف نتائج پر مرکوز ہوں۔۔۔ سے بہت کچھ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اب یورپ اور مغرب، سیکولر اور لبرل طاقتوں کی زبان و بیان، خیالات و افکار اور تہذیب و تمدن کی طوفانی یلغار کا ہراول دستہ میڈیا ہی ہے۔

کے درمیان خلطِ محبت کریں۔ بلاشبہ اس دین کو بیرونی حملہ آوروں سے اپنے دفاع کا پورا پورا انتظام کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ دین کا محض اس شکل میں آنا کہ یہ اللہ کی عالمی ربوبیت کا اعلان اور غیر اللہ کی بندگی سے انسان کی رست گاری کی دعوت ہے، اور پھر اس کا ایک منظم تحریک کا قالب اختیار کر لینا جو جاہلی قیادتوں سے باغی اور ایک بالکل نئی اور جداگانہ طرز کی قیادت کے تابع ہو، اور ایک نرالے اور مستقل معاشرے کی تخلیق کرنا جو انسانی حاکمیت کو اس لیے تسلیم نہ کرتا ہو کہ حاکمیت صرف خدائے وحدہٴ حق ہے۔۔۔۔۔ دین کا اس شکل میں دنیا سے اپنا تعارف کرانا ہی اس امر کے لیے بہت کافی ہے کہ ارد گرد کے وہ تمام جاہلی معاشرے اور طبقے جو بندگی انسان پر قائم ہیں اسے نیست و نابود کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے وجود کے تحفظ و دفاع کے لیے خم ٹھونک کر باہر نکل آئیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتحال میں نئے اسلامی معاشرہ کو بھی اپنے تحفظ و دفاع کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس صورتحال کا رونما ہونا ناگزیر ہے جوں ہی اسلام کا ظہور ہوگا یہ صورتحال بھی لازماً پیدا ہوگی۔ اس کشمکش کو چھیڑنے میں اسلام کی پسند و ناپسند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ کشمکش تو اسلام پر ٹھونسی جاتی ہے۔ یہ وہ طبعی کشمکش ہے جو دو ایسے نظاموں کے مابین چھڑ کر رہتی ہے جو زیادہ عرصہ تک بقائے باہم کے اصول پر ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں مجال شک نہیں ہے اور اسی نفس الامری حقیقت کی رو سے اسلام کے لئے اپنی مدافعت ضروری ہو جاتی ہے۔ اسے یہ مسلط کردہ جنگ لڑے بغیر چارہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ بقیہ اگلے شمارے میں انشاء اللہ

اور روایات، پورا انسانی ماحول۔ ان میں سے ہر ہر چیز اسلام کی راہ میں ایک سنگِ گراں ہے۔ اسلام ان تمام رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے طاقت کا استعمال کرتا ہے۔ تاکہ اسلام کے درمیان اور افرادِ انسانی کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ رہے اور وہ آزاد فضا کے اندر انسان کی روح اور عقل سے اپیل کر سکے۔ بناؤٹی آقاؤں کی قیود سے رہا کر کے وہ انسانوں کو ارادہ و انتخاب کی آزادی فراہم کرتا ہے تاکہ وہ اپنی آزاد مرضی سے جس بات کو چاہے قبول کریں اور جسے چاہے رد کریں۔ اسلام کے نظریہ جہاد پر مستشرقین نے جو مکروہ حملے شروع کر رکھے ہیں ان سے ہمیں ہرگز دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور نہ کسی گھبراہٹ کا اظہار کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی ہماری حوصلہ شکنی کا باعث نہیں ہونی چاہیے کہ حالات کا دھارا ہمارے خلاف بہہ رہا ہے اور دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں بھی ہمارے خلاف ہیں۔ یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ ہم ان سے متاثر ہو کر اسلامی جہاد کے وجوہ جواز کو دین کی فطرت و حقیقت سے کہیں باہر تلاش کرنا شروع کر دیں اور جہاد کو دفاعی ضرورت اور وقتی اسباب و حالات کا نتیجہ قرار دینے لگیں۔ جہاد جاری ہے اور جاری رہیگا۔ خواہ دفاعی ضروریات اور وقتی اسباب و حالات پائے جائیں یا نہ پائے جائیں۔ تاریخ کے نشیب و فراز کا جائزہ لیتے وقت ہمیں ان اصل محرکات اور تقاضوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو اس دین کی طبیعت میں، اس کے عالم گیر اعلانِ آزادی میں، اور اس کے حقیقت پسندانہ طریق کار میں پنہاں ہیں۔ یہ بات درست نہ ہوگی کہ ہم ان اصل محرکات اور تقاضوں کے درمیان اور دفاعی ضروریات اور وقتی داعیات

درود شریف کی حکمت

ماخوذ از: مجموعہ وظائف

محترم ہستیاں انبیاء کرام علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ تبارک و تعالیٰ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی سلامتی اور رحمت کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقامِ عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں انہیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے اور شرک کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔ بہر حال درود و سلام نے ہم کو نبیوں کا دعا گو بنادیا اور جو بندہ پیغمبروں (علیہم السلام) کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے؟

اور ممنونیت و شکر گزاری ----- کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج! بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت! تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتے ہیں اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے، اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہارِ وفاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ درود پڑھنے کے صلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور

تمام انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت اور تعلیم سے ایمان نصیب ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان ان نبیوں اور رسولوں (علیہم السلام) کا ہوتا ہے جن کے ذریعے ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی دولت اللہ تبارک و تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی ہے، اس لئے یہ امت اللہ تبارک و تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنون و احسان مند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ پھر جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت اور رفع درجات کی دعا کی جائے، درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ ----- وفاداری و انکساری کا نذرانہ

اسلام سے اس لیے ڈرتے ہیں !!!

اسلام یعنی قرآن کی حکومت اگر کسی خطہ زمین پر قائم ہو جائے تو آبکاری کا محکمہ شریف تو اسی دن تخفیف میں آجائے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں سے پینے پلانے کی دکان ماند پڑھ جائے۔ شرابیوں، افیونیوں، چاندو بازوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں۔ تاڑی خانوں سیندھی گھروں میں جھاڑو پھر جائے۔ قمار خانوں میں قفل پڑ جائیں۔ ناچ گھر اُجر جائیں، فحش و بے حیائی کے اونچے بالا خانوں پر خاک اُڑنے لگے، ایکٹروں اور ایکٹریسوں کا بازار سرد ہو جائے، ”ہالی وڈ“ میں نوبت فاقہ کشی کی آجائے، سینما اور تھیٹروں کے پردوں پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ جائے، عدالتوں کی رونق اور وکالت کی جان دورغِ حلفی جاتی رہے، سودی بنکوں اور مہاجنی کوٹھیوں میں کتے لوٹنے لگیں، لاٹریاں پڑنا، دیوالے نکلنا، جائیدادوں کا نیلام قصہ کہانی بن جائے، مجرموں کی، مجنوں کی، خودکشی کرنے والوں کی تعداد گھٹتے گھٹتے صفر تک آجائے، چوروں، رہزنوں قاتلوں، پردنیا تنگ ہو جائے، ڈپلومیسی کے لقب سے عزت پانے والی مکاریاں، اور آرٹ اور فائن آرٹ کے پردہ میں چمکنے والی بے حیائیاں، سب اس جہاں کو داغِ مفارقت دے جائیں۔

”مولانا عبدالماجد دریا آبادی“ (نشریات ماجد)

اے خاصۂ خاصانِ رُسلِ وقتِ دعا ہے۔۔!

[illegible]

اے خاصۂ خاصانِ رُسلِ وقتِ دعا ہے

امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

پر دیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے